تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ایس۔اُردو

انور مسعود اور سرفراز شاہد کی مزاحیہ اردو شاعری میں طنزیہ عناصر: تقابلی مطالعہ

محقق:

کائنات منیر

222-FLL/MSURDU/F17

نگران:

ڈاکٹر شیراز فضل داد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

شعبہٗ اردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

International Islamic Univ.
CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD.

ACCEPTANCE BY THE VIVA VOCE COMMITTEE

Name of the Student: **Kainat Munir**

Title of the Thesis: انور مسعود اور سرفراز شاہد کی مزاحیہ اردو شاعری میں طنزیہ عناصر (تقابلی مطالعہ)

Registration No: **222-FLL/MSURD/F17**

Accepted by the Department of Urdu, Faculty of Languages & Literature, International Islamic University, Islamabad, in partial fulfillment of the requirements for the Master of Philosophy degree in Urdu.

VIVA VOCE COMMITTEE

Chairperson Viva Committee:

Dr. Humaira Ishfaq
Chairperson Department Of Urdu Female IIUI

External Examiner:

Dr. Shafique Anjum, Associate Professor, Department of Urdu

Internal Examiner:

Dr. Ghulam Farida
Assistant Professor
Department Of Urdu, IIUI, Islamabad

Supervisor:

Dr. Shiraz Fazal Dad
Assistant Professor
Department Of Urdu, IIUI, Islamabad

Accession No. IH 25135

MS
891.4391
ک11

۱۔ اردو ادب ۔ شاعری ۔ تنقید
۲۔ اردو مزاح ۔ شاعری

Rupees 50 ۵۰ روپیہ

بیان حلفی

☆ منکہ مسماۃ **کائنات منیر دختر منیر خان جدون** سکنہ مکان نمبر ZA-470 گلی نمبر 11 ڈھوک منگٹال راولپنڈی شناختی کارڈ نمبر 37405-1920744-0 حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ :

☆ یہ کہ میرا مقالہ بعنوان سرفراز شاہد اور انور مسعود کی مذاحیہ اردو شاعری میں طنزیہ عناصر (تقابلی مطالعہ) سرقے سے پاک ہے اس مقالے میں مکمل اور اصل حوالہ جات دیے گئے ہیں اور میں نے یہ کام لیکچرار شعبہ اردو ڈاکٹر شیر افضل داد کی زیر نگرانی مکمل کیا ہے۔

میں حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا اور نہ ہی آئندہ کرونگی۔

مندرجہ بالا بیان میں جو کچھ کہا گیا ہے میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں اور اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں

المحلف

دستخط:..........................

نام: مسماۃ **کائنات منیر دختر منیر خان جدون**

شناختی کارڈ نمبر 37405-1920744-0

دستخط گواہ:..........................

سعد منیر ولد منیر خان جدون

شناختی کارڈ نمبر 37405-8992054-7

ATTESTE

مسماۃ کائنات منیر دختر منیر خان جدون سکنہ
470 A بلاک گلی نمبر 11 محلہ مشتاق ایریا
بذریعہ تحقیق لڑکا در سطح منیر در منیر خان

37405-8552...

37405-1920744-0

الجامعة الإسلامية العالمية
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
شعبہ اُردو

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ کائنات منیر رجسٹریشن نمبر 222-FLL/MSURDU/F17 نے ایم۔ایس۔اُردو کی ڈگری کی تکمیل کے لیے تحقیقی مقالہ بعنوان **" انور مسعود اور سرفراز شاہد کی مزاحیہ اردو شاعری میں طنزیہ عناصر: تقابلی مطالعہ "** میری نگرانی میں رقم کیا ہے۔میں تصدیق کرتی ہوں کہ اس موضوع پر اس سے پہلے کہیں کام نہیں ہوا اور یہ کام سرقے سے پاک ہے۔

نگران: ڈاکٹر شیراز فضل داد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

بسم الله الرحمن الرحيم

پیش لفظ

ادب زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے اور انسانی زندگی مختلف تضادات کا مجموعہ ہے۔ یہ خوشی، غم، رنج، راحت سے عبارت ہے۔ انسان اپنی زندگی میں جب ان کیفیات سے دوچار ہوتا ہے تو وہ مختلف طریقہ ہائے سے اپنے رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ جہاں غم و رنج میں روتا ہے، آنسو بہاتا ہے وہیں خوشی و راحت میں مسکراتا ہے، قہقہے لگاتا ہے۔ یوں ہنسنا ہنسانا انسانی جبلت میں شامل ہے۔ اس لیے ادب میں ہنسی کا وجود ناگزیر ہے۔

عالمی ادب پر نگاہ دوڑائی جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سنجیدہ ادب لکھنے والوں کے مقابلے میں فکاہی تخلیق کاروں کا فقدان ہے۔ تاہم جدید دور میں یہ رجحان بدل گیا ہے۔ جدید شعرا نے فکاہی ادب کو ایک معیار عطا کیا ہے جو انسانی زندگی کو غم سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیتا ہے۔ مزاح نگار کو ڈپریشن اور گھٹن کے امراض کا ہیومر تھراپسٹ کہا جاتا ہے۔ ادب میں طنز و مزاح صرف ہنسانے تک ہی خود کو محدود نہیں رکھتا بلکہ سماج کی کمزوریوں، تضاد، توہم، جبر، فرسودہ خیالی اور بد صورتیوں کی گرفت کرتا ہے اور فرد و سماج کی اخلاقی و سماجی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یوں مزاحیہ ادب ہمیں گدگداتا بھی ہے۔ ہنساتا بھی ہے اور اصلاح کی جانب دعوتِ فکر بھی دیتا ہے۔

انور مسعود اور سرفراز شاہد فکاہی ادب کی کہکشاں کا روشن ستارہ ہیں جو بین الاقوامی سطح کے طناز اور مزاح گو شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری قارئین کے چہرے پر تبسم کے نقوش ابھارتی ہے اور ذہن میں غور و فکر کے تاثرات چھوڑتی ہے۔ یہ دونوں شعرا ہمارے کجرو، بے ترتیب اور بکھرے ہوئے معاشرے کے حقیقی نباض شناس ہیں۔ یہ ہمارے روزمرہ کے مسائل سے لے کر بین الاقوامی مسائل کو موضوع سخن بناتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ میں دونوں شعراء کے مزاحیہ اردو کلام کا تقابل کر کے ان کے فکری رویوں اور موضوعات میں پائے جانے والی مماثلتوں اور اختلافات کو تلاش کیا گیا ہے۔

یہ تحقیقی مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں طنز و مزاح کیا ہے؟ تاریخ کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ جعفر زٹلی سے لے کر عصرِ حاضر تک کے چیدہ چیدہ شعرا کے منتخب اشعار بھی درج کیے گئے ہیں جس سے اس دور کے سماجی و سیاسی منظر نامے بھی واضح ہوتے ہیں۔

مقالے کے دوسرے باب میں سرفراز شاہد کے حالاتِ زندگی کی مختصراً نقاب کشائی کی گئی کہ ان کی شخصیت واضح ہو کر سامنے آسکے۔ اس میں ان کے مزاحیہ اردو کلام کا تجزیہ کر کے ان کے فکری شعور کا جائزہ لیا گیا کہ انھوں نے کس طرح بدلتے نظریوں اور حالات کو اپنی شاعری میں قلم بند کر کے اصلاحِ معاشرہ کی کوشش کی۔

اس مقالے کا تیسرا باب انور مسعود پر مشتمل ہے جس میں ان کے حالاتِ زندگی کو مختصراً بیان کر کے ان کے مزاحیہ اردو کلام کا تجزیہ کیا گیا کہ بدلتے رویوں اور رجحانوں نے حساس شاعر کو کیسے متاثر کیا۔ وہ مزاحیہ انداز میں انتہائی

گہری بات کہہ جاتے ہیں۔ ان کے ہاں موضوعات کا تنوع ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو انور مسعود کے مزاح کی زینت نہ بنا ہو۔ وہ تہذیب نو کے بدلتے اطوار سے نالاں نظر آتے ہیں اور جا بجا اپنی شاعری میں اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اس میں ان کے فکری رویوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مقالے کے چوتھے باب میں انور مسعود اور سرفراز شاہد کی شاعری کا تقابل کیا گیا ہے۔ اس میں تقابل کی تعریف کر کے دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ کیا گیا ہے کہ ایک ہی عہد میں رہتے ہوئے دونوں کے موضوعات اور فکری رویوں میں کس حد تک مماثلت واختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ مماثلت اور اختلافات کو ڈھونڈ کے دونوں شعرا کے مقام کا تعین کیا گیا ہے۔

ماحصل کے عنوان سے پچھلے تمام ابواب کی بحث کو سمیٹتے ہوئے حاصلات پیش کیے گئے ہیں۔

مقالے کو حتمی شکل دینے کے بعد میں ان لوگوں کا ذکر کروں گی جنھوں نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری بھرپور مدد کی۔

سب سے پہلے خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں جس کے فضل و کرم نے مجھ ناچیز کو اس قابل بنایا کہ میں یہ کام کر سکوں۔ پھر میں اپنی امی (رخسانہ بی بی) کی بے حد شکر گزار ہوں کہ ان کی شب و روز دعاؤں سے میں اس مقام تک پہنچی۔ خصوصاً اپنے والد محترم (منیر خان) کی جنھوں نے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا اور نہ صرف مجھ میں حصول علم کی لگن اور جستجو پیدا کی بلکہ اپنی انتھک کوششوں سے میرے تعلیمی سفر کو ممکن بنایا۔ آپ کی محنت اور محبت کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔

میں اپنی نگران ڈاکٹر شیر از فضل داد کی از حد مشکور ہوں جنھوں نے مقالے کے آغاز سے لے کر اختتام تک میرے ساتھ تعاون کیا اور ہر مرحلے پر میری رہنمائی کی۔ آپ کے چہرے پر سجی مسکراہٹ طالبات کا حوصلہ کبھی پست نہیں ہونے دیتی۔

میں صدر شعبۂ اُردو ڈاکٹر حمیرا اشفاق کی بے حد مشکور ہوں۔ آپ کا مشفقانہ رویہ آپ کو ہر دلعزیز بنائے ہوئے ہے۔ جب بھی کسی نے آپ کو مدد کے لیے پکارا تو آپ نے خوشی سے لبیک کہا۔

میں شعبۂ اُردو کے تمام اساتذہ کی احسان مند ہوں جنھوں نے میری رہنمائی کی۔ یہاں میں میڈم عاصمہ کا ذکر کرنا نہیں بھولوں گی جنھوں نے ٹائپنگ کے سلسلے میں میری بہت مدد کی۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں۔

میں اپنی دوست گلگتی حسن (نیل زہرا) کی بے حد شکر گزار ہوں کہ تحقیقی مقالے کے دوران مجھے جہاں جہاں مشکل پیش آئی وہاں وہاں نیل نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

میں اپنے عزیز و احباب کی بھی بے حد ممنون ہوں خاص طور پر اپنے سسر (حاکم تاج) اور شریکِ حیات (ولید حاکم) کی جنھوں نے ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھایا اور ان کی بدولت میں نے اس مقالے کو تکمیل تک پہنچایا۔

میں اپنی بہنوں انعم، سوہا کی شکر گزار ہوں جو تحقیق کے دو سال میرے ساتھ مختلف لائبریریوں میں جاتی رہیں۔

آخر میں اتنا کہوں گی کہ مقالے کی تکمیل میں جن جن لوگوں نے میرا ساتھ دیا اُن کا بے حد شکریہ۔ میں نے خلوص کے ساتھ کوشش کی ہے کہ موضوع کے ساتھ انصاف کر سکوں۔

کائنات منیر

اگست ۲۰۲۱ء

فہرست موضوعات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	پیش لفظ	
	باب اوّل:	ا۔
۱	انور مسعود اور سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر: تقابلی مطالعہ	
۲۷	حوالہ جات	
	باب دوم:	۲۔
۲۹	سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر: فکری جائزہ	
۵۵	حوالہ جات	
	باب سوم:	۳۔
۵۹	انور مسعود کی شاعری میں طنزیہ عناصر: فکری جائزہ	
۷۵	حوالہ جات	
	باب چہارم:	۴۔
۷۸	انور مسعود اور سرفراز شاہد کی اردو طنزیہ شاعری کا تقابلی جائزہ	
۸۸	حوالہ جات	
۹۰	**ماحصل**	
۹۹	**کتابیات**	

بابِ اوّل:

انور مسعود اور سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر: تقابلی مطالعہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مذاق مراد لیا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی:

عام طور پر طنز اور مزاح کے الفاظ کو ملا کر بطور ایک مرکب کے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر یہ دو مختلف المعانی الفاظ ہیں۔ مزاح کے لفظی معنی ہنسی مذاق، جب کہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیڑ کے ہیں۔[۴]

طنز و مزاح کے فرق کو سید ضمیر جعفری کے دو اشعار کی مدد سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

آٹھ دس کی آنکھ پھوٹی آٹھ دس کا سر کھلا
لو خطیب شہر کی تقریر کا جوہر کھلا

اس شعر میں طنز کی کاٹ کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح خطیب شہر اپنے خطاب سے لوگوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔

اُن کا دروازہ تھا مجھ سے بھی سوا مشاقِ دید
میں نے باہر کھولنا چاہا تو وہ اندر کھلا

مندرجہ بالا شعر مزاح کی عمدہ مثال ہے۔

ادب میں طنز کی اہمیت اس کی مقصدیت کے باعث ہے۔ اسی باعث اس کی تلخی گوارا کر لی جاتی ہے۔ طنز و مزاح کی تخلیق مقصد کے بغیر ممکن نہیں۔ خالص مزاح تو صرف دل لگی یا مذاق کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ مزاح کی عمومی سطح ہے۔ اس صورت میں مزاح کی کوئی واضح سمت نہیں ہوتی۔ مزاح اس وقت سمت آشنا ہوتا ہے جب اس میں طنز شامل ہو جائے۔ گویا طنز ہی مزاح کو صحیح سمت دکھاتا ہے۔ بقول خواجہ عبدالغفور:

مزاح کی سطح اس وقت بلند ہوتی ہے جب مزاح نگار ذاتی تنقید سے گزر کر حالات، سماج، معاشرہ، سیاست، واقعات اور ماحول کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اس سطح پر پہنچ کر مزاح طنز میں تبدیل ہو جاتا ہے اور رکاکت سے گریز کرتے ہوئے انسانی ماحول کا بہترین نقاد بن جاتا ہے۔[۵]

ہم اردو ادب میں طنز کو مزاح سے الگ نہیں کر سکتے۔ ادب میں طنز و مزاح کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان ہی دو ہتھیاروں کی بدولت مزاح نگار معاشرے کے بگاڑ کو خوش اسلوبی سے سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔ ادب میں طنز و مزاح دو ایسے نشتر ہیں جو وار تو کرتے ہیں مگر اس وار سے کسی انسان کو تیکھا زخم نہیں لگتا۔

ذیل میں طنز و مزاح کی وضاحت مختلف تعریفوں کی روشنی میں کی گئی ہے۔

مزاح(Humour):

مزاح کا انگریزی لفظ Humour کے ہم پلہ ہے۔ اصل میں Humour لاطینی زبان کے لفظ Mumeve سے نکلا ہے جس کے معنی "مرطوب ہونا"، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ لفظ "مضحکہ خیز" اور "ظریفانہ" کے مترادف ہو گیا۔

The New Coxton Encyclopedia کے مطابق:

> اشیاء کا ظریفانہ پہلو دیکھنے کا نام مزاح ہے۔[۶]

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مطابق:

> Homour: Form of communication in which a complex mental stimulus or elicits reflex of laughter.[۷]

ابلاغ کی وہ صورت جس میں کوئی پیچیدہ، ذہنی تاثر قہقہے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

> اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں اس لفظ کے متبادل کے طور پر ہنسی، مذاق، دل لگی، خوش طبعی وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔[۸]

مزاح کیا ہے؟

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ دنیا دکھوں اور غموں کا گھر ہے اور انسان ہر دم آلامِ زندگی سے نجات پانے کی کوشش کرتا ہے۔ چاہے یہ نجات عارضی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نجات کے لیے آدمی مختلف طریقے اپناتا ہے۔ ان میں ایک طریقہ "مزاح" بھی ہے۔ مزاح غم زدہ انسان کو تھوڑی دیر کے لیے دکھوں کی نگری سے بہت دور لے جاتا ہے۔ جہاں انسان خود کو ہشاش بشاش محسوس کرتا ہے۔

مزاح اصل میں دکھوں اور غموں پر پردہ ڈالنے کا ایک حربہ ہے۔ اصل میں قہقہوں کے پیچھے آنسو چھپے ہوتے ہیں۔ ادب میں کامیاب ترین مزاحیہ تخلیق اسے گردانا جاتا ہے جو مسکراہٹوں اور آنسوؤں کے سنگم پر تخلیق ہو۔

قہقہوں سے جو غم ادا نہ ہوا
کیا ادا ہو گا دیدۂ تر سے

مزاح ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو ہر قسم کے حالات سے بآسانی گزار سکتی ہے۔ آج کے اس پُر آشوب دور میں چہرے پر مسکراہٹ لائے بغیر گھمبیر اور کٹھن زندگی کو جینا بہت مشکل ہے۔ ہنسی علاجِ غم ہے۔ مزاح ذہنی تناؤ اور الجھن کو کم کرتا ہے۔ موجودہ دور کی زندگی میں پانی، غذا اور ہوا کی طرح مزاح بھی بہت ضروری ہے۔ اسے چھٹی حِس قرار دیا گیا ہے۔ ہر انسان خوش رہنا چاہتا ہے اور یہ انسان کا فرض ہی نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری بھی ہے۔ بقول مشتاق احمد یوسفی:

> خوش رہنا ہر انسان کا حق ہی نہیں فرض بھی ہے اور جو شے اس فریضے کی ادائیگی میں ممد و معاون ثابت ہو وہ مفید ہے۔ اس لحاظ سے مزاح زندگی کو زیادہ خوشگوار بنا دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ راہ میں پھول نہ کھلاتا ہو لیکن کانٹے بہت سے ہٹا دیتا ہے۔[9]

طنز و مزاح سے صرف ہنسنے ہنسانے کا کام نہیں لیا جاتا بلکہ اس کا تعلق معاشرے کے مسائل سے ہے۔ ایک باشعور انسان کو مزاح کے اندر چھپے گہرے راز کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے چونکہ آج ہمارا معاشرہ گوناں گوں مسائل اور بہت سی پیچیدگیوں کی زد میں ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے۔ زندگی کی گہما گہمی نے ہر شخص کو متاثر کیا ہے۔ عام آدمی معاشرے کی کج رویوں اور ناہمواریوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتا۔ ایسے میں مزاح اور طنز نگار اپنے کلام کے ذریعے انسان کو صحت مندانہ انداز میں سوچنے کی ترغیب دیتے ہیں اور خوابیدہ احساس کو بیدار کرتے ہیں۔ مزاح لوگوں کو نہ صرف خوشی پہنچاتا ہے بلکہ سوچ و فکر کی طرف بھی مائل کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن خان:

> مزاحیہ ادب صرف تبسم ہی نہیں غور و فکر کی بھی دعوت دیتا ہے۔ خصوصاً مسلمات یا مفروضہ مسلمات پر نظرِ ثانی کی دعوت دیتا ہے۔۔۔۔ اچھا مزاحیہ ادب، ادب پہلے ہوتا ہے۔ مزاحیہ بعد میں۔[10]

دراصل ہنسی ایک ذہنی کیفیت ہے۔ ہنسی کے ارتقاء پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ عہدِ قدیم سے عہدِ جدید تک

یہ جذبہ ایک قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے جو مخصوص لمحات زندگی میں ہر انسان میں پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سٹیفن لی کاک نے مزاح کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

> مزاح کیا ہے؟ یہ زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہو جائے۔[11]

مزاح نگار معاشرتی اور سماجی برائیوں پر ہمدردانہ نگاہ ڈالتا ہے اور سماج میں پلنے والی برائیوں کو طنز و مزاح کے قالب میں ڈھال کر اس سے اصلاح کا کام لیتا ہے۔

"ہنسی علاجِ غم ہے" اس قول کی صداقت میں کوئی شک نہیں لیکن ہنسنا اور ہنسانا بہت مشکل کام ہے۔ سرفراز شاہد کہتے ہیں کہ "مزاح گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے اور مزاح کی سرحدیں فحاشی اور ابتذال سے اس قدر ملتی ہیں کہ ذرا سی لغزش بھی شاعر کو ادب کی بلندیوں سے پھکڑ پن کے تحت الثریٰ میں گرا سکتی ہے۔

چونکہ طنز و مزاح میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس لیے ہنسی کے ساتھ ساتھ "طنز" پر بھی بحث کرنا ضروری ہے۔

طنز(Sative):

ہلکے پھلکے انداز میں کسی شخص، چیز یا رویے کا تذکرہ کرتے ہوئے اس پر چوٹ کرنے کے عمل کو طنز کہا جاتا ہے۔ طنز انگریزی لفظ Sative کے ہم پلہ ہے۔

اردو میں طنز ایک رجحان، رویے یا اسلوب کا نام ہے جبکہ انگریزی زبان میں تو یہ بطور ایک صنف کے رائج ہے۔ Webster's Dictionary کے مطابق:

> ایک ادب پارہ، جس میں عادات بد، حماقتوں اور ناانصافیوں وغیرہ کو تضحیک اور اہانت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ بری عادات اور حماقتوں وغیرہ پر مضحکہ، طعنہ، رمز وغیرہ کی سود سے چوٹ کرنا اور ان کا تمسخر اڑانا ہے۔[12]

فارسی زبان میں طنز کے معنی افسوس کرنا، مذاق کرنا، طعنہ دینا، ہنسی اڑانا یا سرزنش کرنا وغیرہ کے ہیں۔ دراصل طنز میں مختلف معاشرتی برائیوں کا تنقیدی انداز میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

طنز بنیادی طور پر ایک حساس اور درد مند دل کے ذہنی رد عمل کا نتیجہ ہے۔ اردو ادب میں اس کا آغاز انگریزی حکومت کی ناانصافیوں اور سماجی بے اعتدالیوں کے باعث ہوا۔ انہی بے راہ رویوں نے ایک حساس شاعر کو طنز کے نشتر چلانے پر مجبور کیا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ طنز ایک تخریب کار دور ہے۔ اردو ادب میں طنز ایک مثبت رجحان کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ طنز کے نشتر چلانے کے بعد زخم کا بھر جانا اور سماج کا اپنے مرض سے نجات حاصل کر لینا۔ اس کا بہت بڑا تعمیری کارنامہ ہے۔ طنز کے ساتھ ساتھ مزاح کی چاشنی بے حد ضروری ہے کیونکہ طنز کی شدت کو مزاح ہی کم کرتا ہے۔ یوں طنز و مزاح جب مل کر کسی معاشرتی برائی یا رویے پر چوٹ کرتے ہیں تو سننے والوں کو بات ناگوار نہیں گزرتی اور کہنے والے کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ مزاح طنز کا لازمہ ہے۔ بقول رام لال بھوی:

> طنز نگار کے پریشم کش کی خ ملش مزا دیتی ہے۔ وہ مریض نہیں مرض کا دشمن ہوتا ہے۔ اس کے لہجے میں سچائی کی تلخی کے ساتھ پیار کی مٹھاس بھی ہوتی ہے۔ طنز مزاح سے بیگانہ نہیں ہوتا۔ [۱۳]

ہم طنز کو مزاح سے الگ نہیں گردانتے۔ بعض لوگ طنز کو ایک الگ صنف سمجھتے ہیں لیکن اردو ادب میں طنز و مزاح کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بقول شوکت سبزواری:

> طنز و ظرافت اکثر ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ شاید اس لیے عام طور پر ان میں فرق نہیں کیا جا سکتا اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی مضمون طنز پر مکمل اور جامع نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے ساتھ ظرافت کا ذکر نہ ہو۔ طنز ظرافت سے بالکل الگ چیز ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا ظرافت سے تعلق ہے اور یہ تعلق بہت شدید اور گہرا ہے لیکن طنز کا مفہوم کچھ اور ہے۔ ظرافت کم سے کم اس حقیقت نہیں داخل نہیں۔ طنز ایک طرح کی تنقید ہے۔ ایک قسم کا عملِ جراحی ہے۔ تنقید میں ایک چیز کے اچھے برے دونوں پہلو سامنے ہوتے ہیں۔ تنقید ہمدردانہ ہوتی ہے۔ توازن اس کی بڑی خصوصیت ہے۔ طنز میں اس کے برے پہلو نمایاں کر کے دکھائے جاتے ہیں۔ [۱۴]

جس طرح تنقید میں توازن ضروری ہوتا ہے بلکہ کسی طرح طنز میں بھی اگر توازن کا خیال نہ رکھا جائے اور عقلی و شعوری اور جذباتی و فطرتی سطح میں سے ایک سطح دوسری پر غالب آ جائے تو طنز نگار کا اصلاحِ معاشرہ کا مقصد پورا نہیں ہوتا اور وہ عمدہ طنز تخلیق کرنے کے عمل سے دور جا پڑتا ہے۔ طنز نگار اترا اترا کر کرتب نہیں دکھاتے بلکہ سوچ سمجھ کر اصلاحِ معاشرہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ بقول مشتاق احمد یوسفی:

ے رقص یہ لوگ کیا کرتے ہیں تلواروں پر

طنز و مزاح کے مختلف حربے:

ظرافت(Pleasantry):

اردو ادب میں مزاح اور ظرافت ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن ان میں خفیف سا فرق موجود ہے۔ اگرچہ ظرافت کا تعلق مزاح سے ہے لیکن جب مزاح اپنے خاص معیار سے نیچے گر جائے تو وہ ہزل و ہجو کی شکل اختیار کر لیتا ہے جبکہ ظرافت اپنا خاص معیار برقرار رکھتی ہے۔

انگریزی میں مزاح کے لیے Humour اور ظرافت کے لیے Pleasantry کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ ظرافت ایک ایسا سچا آئینہ ہے جو معاشرے کو ان کا اصل عکس دکھاتا ہے۔ ظرافت بظاہر بے تکی اور مضحکہ خیز لگتی ہے مگر اس میں دانائی اور حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔ بقول آسکر وائلڈ کہ "اگر کسی سے سچی بات کہلوانا ہو تو اسے ایک نقاب دے دو۔"

ہزل، پھکڑ پن، عریانی:

فارسی میں ہزل کے لغوی معنی "سخنِ بے ہودگی" کے ہیں۔ اگر مزاح، مذاق سے گر جائے مگر تہذیب کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دے تو یہ ہزل ہے۔ اک دو میں مزاح نگاری کا آغاز ہی جعفر زٹلی کی ہزلیات سے ہوا۔

دراصل پھکڑ پن، ہزل کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مثلاً اگر کسی کو "اوئے لوٹے"، "ارے سالے" کہہ کر مخاطب کیا جائے تو اس سے "پھکڑ پن" پیدا ہوگا۔ اگر اوئے لوٹے کی حدود سے بھی تجاوز کیا جائے تو پھر کلام فحش و عریانی کے درجے میں داخل ہو جائے گا۔

ہزل: گو کسی کام کا ہوتا نہیں بھینگا معشوق
کانے عاشق کو ملے مفت کو مہنگا کیا ہے

عریانی: کچی کلیاں کام کی ہوتی نہیں
کیوں مراجات ہے کمسن کے لیے

[illegible]

[illegible]:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]:

ہمیشہ مزاح کے لبادے میں لپیٹ کر یہی استعمال کرنا چاہیے جہاں طنز، مزاح کے اثر سے آزاد ہو جاتا ہے وہاں وہ لوگوں کی دل آزاری، جگ ہنسائی کا سبب بنتا ہے۔

اودھ پنچ کے بہت سے قلم کاروں نے طعن اور استہزا کا حربہ استعمال کرتے ہوئے حالی اور سر سید کو ہدفِ تنقید بنایا۔ مثال

سید کا حال حالی سے پوچھیے
بدھو میاں کی بات ڈفالی سے پوچھیے

ابتر ہمارے حملوں سے حالی کا حال ہے
میدان پانی پت کی طرح پائمال ہے

تحریف(Parody):

مزاح گو شعرا کے ہاں طنز و مزاح تخلیق کرنے کے لیے تحریف ایک اہم حربہ ہے۔ اردو میں تحریف نگاری کے اولین نمونے جعفر زٹلی کے ہاں ملتے ہیں۔
کسی بھی تحریر میں ہلکی سی تبدیلی اس انداز سے کرنا کہ اس تحریر کے معنی حیرت انگیز حد تک بدل جائیں "تحریف" ہے۔
جامع حسن اللغات میں تحریف کے معنی ہیں کہ "ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف رکھ دینا۔" بقول خواجہ محمد زکریا:

> پیروڈی یا تحریف کسی مشہور فن پارے میں جزوی تبدیلیاں کر کے اسے نیا مفہوم عطا کرنے کا نام ہے۔[۱۴]

پیروڈی کی اہم شرائط یہی ہیں جو کسی مشہور کلام کی ہوتی ہیں۔ دوم اسے اتنی خوبصورتی سے کلام میں برتا جاتا ہے کہ یہ الگ سے ایک فن پارے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔

مثال:

لڑنے بھڑنے کے لیے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

کنہیالعل کپور نے پیروڈی کو ایک نئے رنگ سے آشنا کیا۔ ایک ہی شاعر کے دو مختلف مصرعوں کو ملا کر معنی و مفہوم کو ایک نیا رنگ عطا کیا۔

جان تم پہ نثار کرتا ہوں
شرم تم کو مگر نہیں آتی

اردو کے معروف پیروڈی نگاروں میں سید محمد جعفری، مجید لاہوری، شیخ نذیر احمد، محمود سرحدی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

تضمین:

طنز و مزاح کا ایک اہم حربہ تضمین بھی ہے۔ کسی شاعر کے شعر یا مصرعے کو اپنے کلام میں شامل کر لینے کا نام تضمین ہے۔ اردو ادب میں مزاح نگار شعرا نے کئی معروف و مشہور مصرعوں کی تضمین کر کے فکاہی ادب کو ایک خزینہ عطا کیا ہے۔ بقول نیاز فتح پوری کہ "تضمین کی خوبی یہ ہے کہ وہ اصل شعر کے ساتھ مل کر بالکل ایک چیز ہو جاتی ہے۔"

عام طور پر تضمین مشہور و معروف شعرا کے کلام پر کی جاتی ہے۔ اس طرح سے یہ ایک عقیدت کا اظہار بھی ہے جو ایک شاعر دوسرے سے کرتا ہے۔ تضمین کی ایک متبادل صورت یہ بھی ہے کہ کسی شاعر کا ایک شعر یا مصرعہ لے کر اس پر پوری نظم کہہ دینا۔ اس قسم کی تضمین میں ضروری نہیں کہ تضمین کیا ہوا مصرعہ وہی معنی دے جو اصل میں اس سے مطلوب تھے بلکہ بدلے ہوئے سیاق میں اس کا مفہوم تبدیل ہو سکتا ہے۔

تضمین شدہ مصرع کو واوین "۔۔۔" میں لکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے بہت سے مزاح نگار شعرا نے معروف و مشہور شعرا کی تضمین سے مزاح آفرینی کا کام لیا ہے۔

مثال:

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن۔۔۔۔۔ نئی شان
تولا کبھی ماشہ۔۔۔۔۔۔۔ کبھی سکھر کبھی کاغان
میری وزیری، سفیری واسیری
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان [۱۷]

رمز(Ivony):

انگریزی میں رمز کا متبادل Ivony طنز کی ہی ایک لطیف صورت کا نام ہے۔ اشارے یا کنائے میں ایسی بات کرنا کہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی سب کچھ سمجھا دینا رمز کہلاتا ہے۔ طنز میں چیزوں، رویوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ رمز میں ایک برقی رو پوشیدہ ہوتی ہے جو کچھ دیر کے تامل کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔ Ivony میں طنز کی کاٹ شدید نہیں ہوتی بلکہ یہ ہلکا سا ارتعاش پیدا کر کے اپنا کام دکھا جاتی ہے۔ کلام میں Ivony قارئین کو کج ادائی اور بے راہ روی کا ہلکا سا احساس دلا کر غائب ہو جاتی ہے۔

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے اترانا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

دشنام(Abuse):

جس طرح ظرافت اپنے معیار سے گر کر عریانی و فحاشی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب طنز تہذیب کی حدود عبور کرتا ہے تو گالی گلوچ میں بدل جاتا ہے۔
بہت سے مزاح گو شعراء جب اپنی شگفتہ مزاجی کو بھول کر طیش میں آتے ہیں تو ان کے کلام میں جاٹوں والا طنطنہ جابجا نظر آتا ہے۔
مثلاً

تہذیب نو کے منہ پہ وہ تھپڑ رسید کر
جو اس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے
پیدا ہوئے وکیل تو شیطان نے کہا

لو آج میں بھی صاحب اولاد ہو گیا

اردو میں اودھ پنچ کے شعرا کے ہاں گال گلوچ کی ایک روایت موجود ہے۔

تشبیہ واستعارہ:

تشبیہ واستعارہ مزاح کے اہم حربے ہیں۔ مزاح کے حربہ کے طور پر تشبیہ واستعارہ کا استعمال طنزیہ ومزاحیہ نظم ونثر میں عام ہے۔ سید عابد علی عابد کے مطابق جن لوگوں نے ظرافت، بذلہ سنجی، طنز، ہجو اور متعلقہ اصنافِ ادب کا بروقت نظر مطالعہ کیا ہو وہ اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہوں گے کہ ظرافت ہو کہ بذلہ سنجی، طنز ہو کہ ہجو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مصنف ایسی اشیاء میں مشابہتیں دریافت کرتا ہے جو بظاہر معلوم ہوتی ہوں یا ایسی اشیاء میں اختلافات کے پہلو ڈھونڈ کے دکھاتا ہے جہاں یہ گمان بھی نہ ہو کہ اختلاف کو کوئی صورت پیدا ہو گی۔

مبالغہ:

مبالغہ کو اردو سنجیدہ اور مزاحیہ شاعری دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ سنجیدہ شاعری میں بات میں زور پیدا کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ مزاحیہ شاعری میں مزاح پیدا کرنے کے لیے مستعمل ہے۔ مبالغہ میں کسی چھوٹی بات کو بڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے تاکہ ہنسی کو تحریک دی جا سکے۔

مثال:

وہ ہے سترہ کی اور میں ستر کا
پانچ مربے کہاں کنال کہاں

(انعام الحق جاوید)

مزاحیہ کردار:

مزاحیہ کردار طنز ومزاح کی تخلیق کا اہم جزو ہیں۔ مزاحیہ کرداروں کی تخلیق میں مبالغہ آرائی سے کام لے کر اس کے انداز واطوار کی ایسی تصویر کشی کی جاتی ہے کہ مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔

مزاحیہ کردار تخلیق کرنا ایک مشکل امر ہے کیونکہ تخلیق کردہ کردار کے سامنے آتے ہی قاری یا سامع کے چہرے پہ ہنسی کی لہر دوڑ جانا ضروری ہے۔

اردو نثر میں سرشار کا "خوجی"، مولوی نذیر احمد کا "ظاہر دار بیگ"، امتیاز علی تاج کا "چچا چھکن"، شفیق الرحمان کا "شیطان" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ اردو شاعری میں مجید لاہوری نے "مولوی گل شیر خان"، سید ضمیر جعفری نے "قیس"، سرفراز شاہد نے "سلطان" اور "سلطانہ" کو بطور مزاحیہ کردار تخلیق کر کے اپنے کلام میں متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔

صورت واقعہ سے مزاح:

مزاحیہ صورت حال طنز و مزاح کا ایک اہم اور مشکل حربہ ہے۔ اس کی وجہ زبان و بیان اور الفاظ کی سلاست و بلاغت کے خیال کے ساتھ ساتھ مضحکہ خیز صورت حال کی پیدائش بھی ہے۔

طنزیہ و مزاحیہ شاعری زیادہ تر حالات و واقعات کے مشاہدے سے جنم لیتی ہے۔ حالات و واقعات کو ہو بہو شعر کی صورت پیش کرنا ایک مشکل فن ہے۔ اس کے باوجود جدید مزاحیہ شعرا نے اپنی شاعری میں واقعہ نگاری کی بے شمار مزاحیہ صورتیں ابھاری ہیں۔ بقول خواجہ محمد زکریا:

> واقعاتی مزاح اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی واقعہ بجائے خود مضحکہ خیز ہو اور اس کو مضحکہ خیز بنانے کے لیے لفظی الٹ پھیر سے مدد لینے کی ضرورت نہ ہو۔[۱۸]

انور مسعود نے اس حربے کو کثرت سے اپنی شاعری میں برتا ہے۔ انور مسعود کی نظم "انار کلی دیاں شاناں" دراصل ایک واقعاتی نظم۔ اس نظم میں وہ صورت واقعہ کو بڑی مہارت اور عمدگی سے پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا بے اختیار مسکرا اٹھتا ہے۔

تو کیہ جانے بھولیے مجھے انار کلی دیاں شاناں
وَن سونے گاہک نی ایتھے بھکیو بھلی دُکاناں
دیکھ نی اڑیے کھبے پاسے وال کسے دے کھلے
راہیاں دے پٹے کھیسڑے پیندے خوشیاں دے ٹُلے

دیکھ کسے تھل مونہہ نہ ماریں مڑ مڑ پیاں سمجھا ناں
تو کیہ جانے بھولیے مجھے انار کلی دیاں شاناں۔[19]

کایاکلپ:

معروف و مشہور شاعری کے کسی مصرعے کے ساتھ بعض اوقات اپنا مصرع لگا کر مزاحیہ صوورتِ حال پیدا کی جاتی ہے۔ جسے کایاکلپ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ پیروڈی اور کایاکلپ میں نمایاں فرق یہ ہے کہ پیروڈی کسی شعری میں ہلکی پھلکی تبدیلی کا نام ہے جب کہ کایالپ میں پورا مصرع تبدیل ہو جاتا ہے۔ بقول اشفاق احمد ورک:

> کایاکلپ سراسر ایک مزاحیہ عمل ہے جب کہ پیروڈی بعض سنجیدہ مقاصد کے لیے بھی کی جاسکتی ہے۔[20]

مثال:

کبھی لکھی نہیں درخواست ہم نے انگلش میں
زبانِ غیر سے کیا شرحِ آرزو کرتے

(انور مسعود)

اردو میں مزاح نگاروں نے اس حربے کو استعمال کر کے ایک نئے خیال کو دوسروں تک پہنچایا ہے۔ بعض اوقات مختلف شعرا کے مختلف المزاج مصرعوں کو یکجا کر کے دلچسپ صورت حال پیدا کر دی ہے۔

مثلاً

جہاں میں اہلِ اایماں بیویاں بھی چار رکھتے ہیں
اِدھر ڈوبے، ادھر نکلے، اُدھر ڈوبے، ادھر نکلے
اس کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے فراز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے بہ شدت
وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے

مصحفی

اسی دور میں ایک منفرد آواز نظیرا کبر آبادی کی ہے جنھوں نے اعلیٰ پائے کا تفریحی ادب تخلیق کیا۔ نظیرا کبر آبادی عوامی شاعر ہیں وہ اپنے وسیع مشاہدات کے پیشِ نظر بڑی خوبصورتی سے معاشرتی ناہمواریوں کو نشانۂ طنز بناتے ہیں اور ایسے مسائل کو طنز ومزاح کالبادہ پہناتے ہیں جو عام قارئین کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

مثال:

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی نماز اور قرآن یہاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
وہ ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیرا کبر آبادی

اسی زمانے میں اردو شاعری کو دہلی میں عروج حاصل ہوا۔ سو شعرائے دہلی کے کلام میں بھی طنز ومزاح کے مختلف رنگ ملتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم نام غالبؔ کا ہے۔ غالب کا طنز شوخی سے بھرپور ہے۔ اسی بنا پر حالی نے غالب کو "حیوانِ ظریف" کہا ہے۔

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمھاری شرابِ طہور کی

غالب

غالب نے طنز ومزاح کو ابتذال، پھکڑپن اور ٹھٹھول سے نکال کر حسن وشوخی سے آراستہ کیا اور بعد میں آنے والے شعراء کے لیے ایک نیا رُخ متعین کیا۔

اردو مزاحیہ شاعر کا دوسرا دور "اودھ پنچ" سے شروع ہوتا ہے۔ طنز و مزاح میں اودھ پنچ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ بقول برج نرائن چکبست:

> اودھ پنچ ظرافت کا سر چشمہ تھا اور عام طور پر لوگ اس کے فقروں اور لطیفوں پر لوٹ پھوٹ رہتے تھے جو پھبتی اس میں نکل جاتی وہ مہینوں زبان پر رہتی تھی اور دور دور مشہور ہو جاتی تھی۔ [۲۲]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ایک ایسا درد سوز واقعہ تھا جس نے مسلمانانِ ہند کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا۔ ایک طبقہ قدیم روایات کا حامی تھا۔ دوسرا جس نے مغرب کی تقلید شروع کر دی اور تیسرا طبقہ اعتدال کی راہ اختیار کیے ہوئے تھا۔

اودھ پنچ سے وابستہ شعرا نے مغرب کی اندھا دھند تقلید کرنے والوں پر طنز کے وار کیے اور اپنے کلام میں سماجی ناہمواریوں اور کجرویوں کو موضوعِ خاص بنایا۔ اودھ پنچ کے مزاح گو شعرا میں منشی سجاد حسین، بابو جوالا پرشاد، احمد علی شوق اور سب سے موثر آواز اکبر الہ آبادی کی تھی۔

اکبر الہ آبادی اپنی ذات میں دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کے حقائق کو بیان کیا۔ سر سید پر طنز کے نشتر چلائے اور مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، تعلیمی، معاشی بد حالی، مذہب سے دوری جیسے موضوعات کو اپنے کلام میں جگہ دی اور مسلمانوں کی اندھی تقلیدی روش ک نشانۂ تمسخر بنایا۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے ہسپتال جا کر

اکبر الہ آبادی

بھائی کی ٹانگ توڑتے ہیں
غیروں کے ہاتھ جوڑتے ہیں

اکبر الہ آبادی

اودھ پنچ کے شعرا نے اپنے عہد کی معاشرتی بے اعتدالیوں پر پے در پے طنز کے وار کیے۔

اک مہینے سے چپکے بیٹھے ہیں
واہ کیا واقعہ نگاری ہے
کوئی بیٹھے نہ آئے دفتر میں
نادری حکم جاری ہے

ہجرؔ

اودھ پنچ کے بعد مزاح ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ شبلی، ظفر علی خان، لباس، خیر آبادی، جوش ملیح آبادی نے طنز و مزاح میں طبع آزمائی کی۔

اقبال کے ہاں مزاح اور سنجیدگی آپس میں گلے ملتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے طنز و مزاح کو سنجیدگی اور مقصدیت عطا کر دی۔

مشرق میں اصولِ دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلّے
واں ایک کے تین ہو جاتے ہیں

اقبال

اس دور میں اقبال کے ساتھ جوش ملیح آبادی کا نام بھی آتا ہے۔ اگرچہ ان کے ہاں طنز کی گہرائی نہیں مگر روایتی انداز میں زاہد پر چوٹ کرتے ہیں۔

زاہد رہِ معرفت دکھا دے مجھ کو
یہ کس نے کہا ہے کہ سزا دے مجھ کو
کافر ہوں! ہوئی یہ تو مرض کی تشخیص
اب اس کا علاج بھی بتا دے مجھ کو

جوش ملیح آبادی

ان شعراء کے بعد اردو شاعری میں طنز و مزاح کے جدید دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور کے اہم شعراء میں راجہ مہدی، مجید لاہوری، کنہیالال پور، ماچس لکھنوی، حاجی لق لقؔ، سید محمد جعفری، رئیس امروہی اور مرزا محمود سرحدی وغیرہ شامل ہیں۔

اس دور میں شاعری ایک خاص خطے اور طبقے سے نکل کر بین الاقوامی صورت اختیار کرتی ہے اور شعراء عالمگیر انسانی حماقتوں اور روز مرہ زندگی کی ناہمواریوں پر طنز کے نشتر چلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

راجہ مہدی کی نظم "ایک چہلم پر" رنج والم کے موقع پر انسانی بے حسی کی عمدہ مثال ہے کہ معاشرے میں زیادہ تر لوگ اصل میں دوسروں کا دکھ درد کم بانٹتے ہیں اور شکم سیری کے لیے دوسروں کے گھر جا کر ان پر بے جا بوجھ ڈالتے ہیں۔اس نظم میں "بڑی بی" کا کردار تخلیق کر کے راجہ مہدی نے معاشرتی رویوں کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رضیہ ذرا گرم چاول تو لانا!

ذکیہ ذرا ٹھنڈا پانی تو لانا!

نہ کر بین اتنے نہ رو اتنا پیاری

ہمارے کلیجے پہ چلتی ہے آری

منگانا پلاؤ ذرا اور خالہ!

بڑھانا ذرا قورمے کا پیالہ!

سید محمد جعفری کا شمار اردو ادب کے اہم مزاح گو شعرا میں ہوتا ہے۔انھوں نے اجتماعی زندگی کی ناہمواریوں کو نشانۂ تمسخر بنایا اور اپنے کلام میں تضمین کی تکنیک سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ خصوصاً غالب اور اقبال کے مصرعوں کو جس خوبصورتی سے اپنے شعر کا حصہ بنایا۔اس کی مثال اردو ادب میں نہیں ملتی۔

اردو مزاحیہ شاعر کا ایک اور معتبر نام مرزا محمد سرحدی کا ہے۔انھیں صوبہ سرحد کا اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ انھیں معاشرے کا بے باک نقاد کہا جاتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

انقلابات ہونے والے ہیں

انتخابات ہونے والے ہیں

جیسے حالات تھے کبھی پہلے
ویسے حالات ہونے والے ہیں
بھائی بھائی میں باپ بیٹے میں
اختلافات ہونے والے ہیں

رئیس امروہی ممتاز شاعر اور دانش ور ہیں۔ قطعہ نگاری میں آپ اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ قطعات کے ذریعے آپ نے ملکی و غیر ملکی صورت حال پر طنز کر کے معاشرتی کجرویوں کو بے نقاب کیا۔

ایک رشوت کور نے یہ اپنے ساتھی سے کہا
کارِ سرکاری میں تو جاہل بھی تھا نا داں بھی تھا
تو ہی غافل چند پیسوں پر قناعت کر گیا
ورنہ رشوت میں علاج تنگیِ داماں بھی تھا

سید ضمیرؔ جعفری کا شمار اردو طنزیہ و مزاحیہ شاعری کے جدید اور جدید ترین دونوں ادوار میں ہوتا ہے۔ انھوں نے انسانی شخصیت، روز مرہ ہونے والے واقعات اور دو تہذیبوں کے تصادم کو بیان کیا۔ سید ضمیر جعفری نے ظلم و جبر کے ہر انداز کو نشانۂ طنز بنایا۔ وہ ایسے موضوعات کو احاطۂ قلم میں لاتے ہیں جن میں زندگی کے تمام نشیب و فراز حقیقی صورت میں مزاحیہ شاعری میں ڈھل کر ایک ہمدردانہ شعور کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے مزاح میں ہمدردی کا عنصر غالب ہے:

شوق سے لختِ جگر، نورِ نظر پیدا کرو
ظالمو! تھوڑی سی گندم بھی مگر پیدا کرو
شیخ، ناصح، محتسب ، ملا کہو کس کی سنیں
یارو کوئی ایک مردِ معتبر پیدا کرو

جدید ترین دور کے شعراء میں دلاور فگار، انور مسعودؔ، سرفراز شاہدؔ، اسدؔ جعفری، نیازؔ سواتی، ضیاء الحق قاسمی اور انعام الحق جاوید وغیرہ شامل ہیں۔ اس دور کے شعراء نے موجودہ انسانی رویوں، سماجی برائیوں، قومی و بین الاقوامی

معاملات کو نشانۂ طنز بنایا تاکہ لوگ برائیوں پر قابو پا کر زندہ دلی سے زندگی بسر کر سکیں۔

جدید ترین دور میں معاشرے میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ مادی ترقی نے جدید ترین انسان کو بے حس بنا دیا۔ وہ محبت، خلوص اور ہمدردی جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو بھلا کر ایک مشین بن گیا۔ انسانی رشتے ختم ہو گئے۔ زر پرستی کے رجحان نے اتنی شدت پکڑی کہ راتوں رات امیر بننے کے خواب کو حقیقی روپ میں ڈھالنے کے لیے ہر طرح کے ناجائز کام کرنا آج کے انسان کی شخصیت کا حصہ بنا گیا۔ جوں جوں انسان ترقی کی منازل طے کرتا گیا۔ ویسے ویسے برائیاں عام ہوتی گئیں۔

رشوت، چور بازاری، سفارش، غنڈہ گردی، دہشت گردی، مہنگائی جیسے مسائل نے دیگر اہلِ قلم کی طرح طنزیہ و مزاحیہ نگار شعراء کو بھی اپنی طرف متوجہ کیا۔ لٰہذا مزاح گو شعراء نے روایتی انداز کو ترک کر کے جدید دور کے انھی مسائل کو قلم بند کیا اور اپنی شاعری کے ذریعے معاشرے میں پلنے والے ان ناسوروں پر ظریفانہ تنقید کی۔

سید ضمیر جعفری نے انسانیت کے نام پر ڈھائے جانے والے مظالم اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی پامالی کو کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے۔

تہذیب کے کمال کا یہ رخ بھی دیکھیے
کس کس طرح آدمی مارا نہیں گیا

انور مسعود کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جو اپنے وسیع مشاہدات کے باعث روزمرہ معمولات کے ایسے واقعات کو احاطۂ قلم میں لاتے ہیں جو عام آدمی کی نگاہ سے کوسوں دور ہوتے ہیں لیکن انور مسعود کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ ان واقعات کو نمایاں کر کے افرادِ معاشرہ کو اصل صورت سے آگاہ کرتے ہیں۔

دولت کی فراوانی سے معاشرتی قدروں کی تباہی اور مشرقی تہذیب کا اندھا دھند مغربیت کی تقلید کرنا ایسے رویے ہیں جن پر انور مسعود کا حساس قلم تڑپ اٹھتا ہے۔ چند مثالیں ذیل میں درج ہیں:

بھینس رکھنے کا تکلف ہم سے ہو سکتا نہیں
ہم نے سوکھے دودھ کا ڈبا جو ہے رکھا ہوا
گھر میں رکھیں غیر محرم کو ملازم کس لیے

کام کرنے کے لیے ابا جو ہے رکھا ہوا

دلاور فگار کے موضوعات میں وسعت پائی جاتی ہے۔ ان کا کلام بدلتی عالمی و ملکی صورت حال، فرقہ بندی، تعصب اور عصری مسائل کو گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ رشوت جیسی لعنت کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

حاکم رشوت ستاں فکر گرفتاری نہ کر
کر رہائی کی کوئی آسان صورت، چھوٹ جا
میں بتا دوں تجھ کو تدبیرِ رہائی مجھ سے پوچھ
لے کے رشوت پھنس گیا ہے دے کے رشوت چھوٹ جا

سرفراز شاہد اردو ادب کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا ایک اہم نام ہے۔ ان کے ہاں موضوعات کی رنگا رنگی ہے۔ ان کی شاعری میں اصلاح کا رنگ غالب ہے۔ سرفراز شاہد کی مزاحیہ شاعری میں بیگم، مہمان، مہنگائی، دھاندلی، استحصالی کو بطورِ خاص طنز و مزاح کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

یوں مزاحیہ شاعری کی جو روایت عہدِ عالم گیری میں جعفر زٹلی سے شروع ہوئی جدید ترین دور میں فکری اور فنی لحاظ سے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی ایک مقبول صنف کی حیثیت اختیار کر گئی۔

انور مسعود اور سرفراز شاہد جدید ترین دور کے اہم شعراء ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے عصری مسائل کا نوحہ مزاح کے لبادے میں کچھ اس طرح لپیٹا کہ قارئین ان کی شخصیت کے معترف ہو گئے۔ اگلے ابواب میں انور مسعود اور سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر کا فکری جائزہ لے کر ان کا تقابل کیا جائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح(لاہور: شفیق پریس، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۳۔

۲۔ وزیر آغا، اردو ادب میں طنز و مزاح (لاہور: کتب خانہ اکیڈمی، ۱۹۵۸ء)، ص ۵۵۔

۳۔ اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ص ۱۳۔

۴۔ رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۸۳۔

۵۔ خواجہ عبدالغفور، شگوفہ زار (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۱۲۔

۶۔ The New Caxlon Encyclopedia، شمارہ ۱۰، ص ۳۱۲۷۔

۷۔ Encyclopedia Britannica، شمارہ ۶، ص ۱۴۷۔

۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۲۰، ص ۵۰۶۔

۹۔ آصف فرخی بحوالہ انٹرویو (لاہور: ادبِ لطیف، ۱۹۹۴ء)۔

۱۰۔ اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ص ۲۷۔

۱۱۔ وزیر آغا، "اردو نثر میں طنز و مزاح" مشمولہ *Stephen Leacock Honov and Humanity*، ص ۴۰۔

۱۲۔ *Webster's Dictionary*، جلد ۶، ص ۲۹۴۔

۱۳۔ اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ص ۱۹۔

۱۴۔ شوکت سبزواری، "اردو شاعری میں طنز" مشمولہ نقوش (لاہور: فروغ اردو ادب)، طنز و مزاح نمبر، ص ۸۵۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۸۵۔

۱۶۔ خواجہ محمد زکریا، اکبر الہٰ آبادی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ص ۲۵۳۔

۱۷۔ سرفراز شاہد، بے دیکھنے کی چیز (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۷۔

۱۸۔ خواجہ محمد زکریا، اکبر الہٰ آبادی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ص ۲۵۲۔

۱۹۔ انور مسعود، میلا اکھیاں دا (اسلام آباد: دوست پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۰۴۔

۲۰۔ اشفاق احمد ورک، اردو نثر میں طنز و مزاح، ص۴۶۔

۲۱۔ ایضاً، ص۴۷۔

۲۲۔ برج نرائن چکبست، "کچھ اودھ پنچ کے بارے میں" مشمولہ نقوش (لاہور: فروغ اردو)، طنز و مزاح نمبر۔

باب دوم:

سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر:

فکری جائزہ

TH 25135

باب دوم:

سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر: فکری جائزہ

سرفراز شاہد کا تعارف:

کسی بھی زبان کے ادب کا لازمی جزو طنز و مزاح ہیں۔ زندگی کے تلخ حقائق کا سامنا کرنے کے لیے اس کی شدتوں اور سختیوں کو گوارہ بنانے کے لیے، شگفتگی، زندہ دلی کی راہ کھلی رکھنا بہت ضروری ہے اور یہ سب طنز و مزاح کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ طنز ہی کے ذریعے سماجی برائیوں کو بے نقاب کیا جاسکتا ہے۔ طنز ایک ایسا کارگر ہتھیار ہے جس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا۔ دنیا کے عظیم ادیبوں اور شاعروں کے ہاں یہ عنصر فطری طور پر ان کے اعلیٰ ادب کا حصہ ہے۔ انھی شعراء میں بیسویں صدی کے افق پر چمکتا ہوا ایک روشن ستارہ موجود ہے جو دنیائے ادب میں سرفراز شاہد کے نام سے جانا جاتا ہے۔

سرفراز شاہد معاشرے کے حقیقی نباض شناس ہیں۔ ان کا محبوب مشغلہ غم زندگی کے حالات میں قہقہے بانٹنا ہے۔ ان کی شاعری قومی مسائل سے لے کر بین الاقوامی مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔

سرفراز شاہد کا اصل نام سرفراز محمود جب کہ قلمی نام سرفراز شاہد ہے۔ آپ کی پیدائش ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو گکھڑ منڈی کے علمی و ادبی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے نانا محمد عظیم چغتائی ایک بہت بڑے دینی سکالر تھے۔ سرفراز شاہد کے والد ایک روشن خیال شخص تھے جنھوں نے اپنے بچوں کو اسی دور میں اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ بیٹے اور بیٹیوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا بلکہ سب کو تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کیے۔

سرفراز شاہد بچپن ہی سے بظاہر سنجیدہ لیکن ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔ مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ چھوٹی عمر میں ہی اردو کے کئی نامور ادیبوں کا مطالعہ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی سے شاعرانہ صلاحیت ودیعت کی تھی۔ چھوٹی سی عمر میں مصرعے گھڑنے لگے۔ انھوں نے اپنا پہلا مکمل شعر چوتھی جماعت میں کہا جو ان کے مزاج میں شوخی و شگفتگی کی عکاسی کرتا ہے۔ بقول انور مسعود:

> مزاج لڑکپن سے عاشقانہ بھی ہو سکتا ہے۔ حکیمانہ اور عارفانہ بھی اور ظریفانہ بھی۔[1]

پہلا شعر اپنی استانی کے متعلق کہا:

کبھی ساڑھی پہنتی ہے، کبھی لہنگا پہنتی ہے
وہ جو کپڑا پہنتی ہے، بڑا مہنگا پہنتی ہے

سرفراز شاہد کے والد کا رجحان سائنس کی طرف تھا۔ وہ اپنے تمام بچوں کو سائنس کی تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔ جب کہ سرفراز شاہد کو سائنس سے اتنی دلچسپی نہ تھی لیکن والد کی بات مانتے ہوئے ایف۔ایس۔سی۔ میں داخلہ لیا اور پھر بعد میں ایم۔ایس۔ کیمسٹری کی ڈگری پشاور یونی ورسٹی سے لی۔ بقول انور مسعود:

> مجھے حیرت ہے سرفراز شاہد پر کہ یہ شخص سائنس پڑھنے لگا تو پڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے کیمسٹری میں ایم۔ایس۔سی۔ کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔[۲۷]

فزکس، کیمسٹری اور ریاضی جیسے خشک مضامین پڑھنے کے باوجود انھوں نے شعر و ادب سے اپنا ناطہ جوڑے رکھا بلکہ گورنمنٹ کالج اصغر مال، راول پنڈی میں یہ تعلق اور بھی مضبوط ہوگیا۔ اساتذہ نے آپ کے اندر کے شاعر کو پہچان کر آپ کی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ آپ نہ صرف شاعر بلکہ بہترین مقرر بھی رہے۔ کالج ہی کے زمانے میں آپ کو شہرت ملی۔ آپ ریڈیو پاکستان راولپنڈی اور مقامی شاعروں میں مدعو کیے جاتے تھے۔

سرفراز شاہد نے اپنے ایک انٹرویو میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے مزاح کا نہیں بلکہ مزاح نے میرا انتخاب کیا ہے۔ میں نے کبھی شعوری طور پر مزاحیہ شاعری کرنے کی کوشش نہیں کی۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ جو چیز انسان کی فطرت میں موجود ہوتی ہے وہ اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور اگر وہ بروقت اپنی صلاحیتوں کو پہچان کر خود کو اس کام کے حوالے کر دے تو وہ شہرت کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ سرفراز شاہد کا شمار بھی انھی خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے۔ قلم کے حوالے سے اپنے شوق کا ذکر کرتے ہوئے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:

> سکول میں فلمیں دیکھنے کا شوق تھا اور گھر والوں سے چھپ کے فلمیں دیکھتا تھا۔ جب میں فلم "آن" دیکھ کر گھر آیا تو بہت خوش تھا۔ جیسے کوئی بڑا معرکہ مار لیا ہو کیونکہ اس کا ٹکٹ بہت مشکل سے ملا تھا۔ "پوستی" میں نے دو تین دفعہ دیکھی تھی۔ اس کی وجہ آج سمجھ میں آتی ہے کہ اس فلم میں مزاح تھا۔[۲۸]

اگرچہ سرفراز شاہد کو سائنس سے خاص دلچسپی نہ تھی لیکن تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ جس شعبہ روزگار سے منسلک ہوئے وہ سائنس ہی کا میدان تھا۔

۱۹۶۲ء میں ایم۔ایس۔سی۔ مکمل کرنے کے فوراً بعد ۱۹۶۳ء میں فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے انٹرویو میں اسسٹنٹ میٹرولاجسٹ منتخب ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے باقاعدہ ملازمت کا آغاز محکمہ موسمیات لاہور سے کیا۔ ساتھ ساتھ اپنے شاعری کے شوق کو بھی پورا کرتے رہے۔ نظم "یہی کالج ہے وہ ہمدم جہاں سلطانہ پڑھتی تھی" نے آپ کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچادیا۔

عجز وانکساری، قناعت پسندی، پابندیٔ وقت آپ کی شخصیت کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ اسد جعفری آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

> ضمیر جعفری اور انور مسعود کے ہم عصر اور ہم پایہ شاعر ہونے کے باوجود ہمیشہ انکساری سے کام لیتے۔
> اگرچہ بڑے مزاح نگار ہیں لیکن بڑا مزاح نگار ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔[۳]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نمائی ان کی عادت نہیں ہے اور یہ باظرف لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ وہ عجز و انکساری سے کام لیتے ہیں۔ بقول مجتبیٰ حسین:

> ظرافت کے لیے ظریف ہونا ہی نہیں بلکہ باظرف ہونا بھی ضروری ہے۔[۴]

کسی بھی شاعر یا ادیب کے تخلیقی سفر میں اس کے خاندان کا علمی و ادبی پس منظر بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہی پس منظر اس کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے۔ لہٰذا جب ہم سرفراز شاہد کے علمی پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گھر کا ماحول علمی و ادبی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے بچپن ہی میں بہت سی کتب کو پڑھ لیا تھا۔

قدرت نے بچپن ہی میں ان کی فطرت میں مزاح کی چنگاری رکھی تھی جو پہلے شعلہ بنی، پھر الاؤ۔ انھوں نے اپنے شعری سفر کا آغاز اردو زبان میں کیا۔ وہ اہلِ زبان میں سے نہیں ہیں بلکہ پنجابی ہیں۔ سید ضمیر جعفری لکھتے ہیں:

> گھر میں سب پنجابی بولتے ہیں اور اتنی بھرپور اور موتی چور قسم کی پنجابی بولتے ہیں کہ اردو ان کے ہاں بظاہر سائنس کا گزر بھی مشکل نظر آتا ہے لیکن قدرت نے اردو شاعری سے لگاؤ کی جو چنگاری ان کی طبیعت میں رکھ دی تھی۔ وہ بہر حال بیدار ہو کے رہی۔[۵]

ان کا پہلا شعری مجموعہ "بلا تکلف (۱۹۷۲ء)" میں منظرِ عام پر آیا جسے بہت پذیرائی ملی۔ یہ اردو طنز و مزاح میں ایک نئی آواز کا اضافہ تھا جسے بہت سراہا گیا۔

سرفراز شاہد نے غزل، نظم، قطعات کے ذریعے معاشرے میں پلنے والے ناسوروں کو بے نقاب کیا۔ وہ ادب کے سچے بیوپاری ہیں جو لکھا خالص لکھا۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو ہر صفحے پر ان کی ذہنی اور تخلیقی اپج کا اظہار ملتا ہے۔ ان کا طنز ناگوار اور تلخ نہیں ہے۔ ایسا کلام ہے جو پڑھنے والوں کو سوچنے اور اپنے رویوں میں تبدیلی لانے کے لیے دعوتِ فکر دیتا ہے۔

ناقدینِ ادب مزاح کی شگفتگی، مقصد کی سنجیدگی اور مغربی تہذیب پر تنقید کی بنا پر سرفراز شاہد کو اکبر الہ آبادی کے مکتبۂ فکر کے شاعر قرار دیتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر وحید قریشی:

> اس کے ہاں اکبر کا اسلوب زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ وہ گدگداتا بھی ہے، چٹکیاں بھی لیتا ہے لیکن اس کا اصل میدان اس صورت حال سے کہیں آگے ہے۔[۶]

سرفراز شاہد ادب برائے اصلاح کے قائل ہیں۔ لہٰذا وہ مزاحیہ ادب میں بھی مزاح کا پہلو مد نظر رکھتے ہوئے معاشرتی برائیوں پر طنز کرتے چلے جاتے ہیں اور مزاح کا ادب سے رشتہ کچھ یوں جوڑتے ہیں:

> مزاح کا ادب سے وہی رشتہ ہے جو نمک کا کباب سے ہے، حرارت کا آفتاب سے ہے، خوشبو کا گلاب سے ہے یا شوخی کا شباب سے ہے۔ بعض اوقات ظرافت کی ایک پھلجھڑی دلوں میں اس طرح جوت جگا دیتی ہے کہ سنجیدہ شاعری کا پورا میگزین بھی وہ کام نہیں کر سکتا۔[۷]

سرفراز شاہد قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پہ شہرت کی بلندی پر فائز ہیں۔ اسی بنا پر انھیں بیرونِ ممالک سے بھی تقریبات اور مشاعرہ و ادبی محافل میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ انھیں کئی ادبی اعزازات سے بھی نوازا گیا جن میں امیر خسرو ایوارڈ، دلاور فگار شیلڈ، بزمِ ثقافت ایوارڈ وغیرہ شامل ہیں۔

سرفراز شاہد کی کتب:

شعری مجموعے:

۱۔ بلا تکلف

۲۔ کچھ تو کہیے

۳۔ ہیرا پھیری

۴۔ چوکے

۵۔ ڈش انٹینا

۶۔ گفتہ شگفتہ

تحقیقی و مرتب کردہ کتب:

- اردو مزاحیہ شاعری
- ویرانے میں خوشبو
- واہ رے شیخ نذیر
- ہے دیکھنے کی چیز
- شوخ لکیریں شگفتہ حروف
- تبسم در تبسم

موسمیات کے متعلق کتب:

- اصطلاحات موسمیات
- کشافِ اصطلاحاتِ موسمیات
- اصول موسمیات
- بائیو ٹیکنالوجی

سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر:

اردو شاعری میں سیاسی و سماجی رجحان کی ابتدا ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ہوئی۔ اس دور کے شعراء اگرچہ زندگی کی ترجمانی کرتے تھے لیکن اجتماعی شعور نام کو بھی نہ تھا۔ سیاست ایک خاص طبقے تک محدود تھی۔ زندگی صرف

امراء کے نشیب و فراز، دکھ سکھ اور واقعات کا نام رہ گئی تھی۔ جنگ آزادی کے بعد بدلتے ہوئے حالات نے اس طلسم کو توڑا اور زندگی کو اب اجتماعی عینک سے دیکھا جانے لگا کیونکہ حالات نے اب بہت سے اجتماعی مسائل پیدا کر دیے تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں سیاسی زندگی کے اجتماعی احساس نے اردو شاعری میں اجتماعی شعور کی شمع روشن کی۔ حالی اور شبلی کی اصلاحی اور سیاسی شاعری اس احساس کی پیداوار ہیں۔

اس دور میں طنزیہ و مزاحیہ انداز میں سیاسی و سماجی حالات شاعری کی صورت میں بیان کیے جانے لگے۔ اکبر الہ آبادی نے اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں کثرت سے سیاسی خیالات ظاہر کیے۔ شبلی، حالی، اکبر اور حسرت موہانی نے سیاسی و سماجی شعور کو شاعری کے ذریعے فروغ دیا اور طنز کے پے در پے وار کیے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں جدت آتی گئی اور نت نئے مضامین شاعری کا موضوع بنتے گئے۔ جہاں سنجیدہ شعراء نے موضوعات کو بڑی خوب صورتی اور ندرت سے شاعری میں برتا وہاں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ مزاحیہ شعراء بھی اس میدان میں پیچھے نہ رہے اور معاشرتی کجرویوں، بے اعتدالیوں، ناانصافیوں کو مزاحیہ شاعری کا موضوع بنا کر عصری مسائل کو بڑی مہارت سے بے نقاب کیا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سیاسی و سماجی مسائل کو مزاحیہ شاعری میں طنز کی آمیزش کے ساتھ بیان کرنا جان جوکھوں کا کام ہے کیونکہ الفاظ میں ذرا سی لغزش کسی کی دل آزاری اک موجب بن سکتی ہے۔ لیکن سرفراز شاہد دورِ حاضر کے وہ ممتاز مزاح گو ہیں جنھوں نے اپنی شاعری میں ندرت، جدت اور شگفتگی کے ساتھ سیاسی و سماجی برائیوں مثلاً رشوت، مہنگائی، سفارش، اخلاقی اقدار کا زوال، بدلتی قدریں، سیاست، واعظ اور تعلیمی نظام کی بدحالی وغیرہ۔ مغرب کی اندھا دھند تقلید پر طنز کے نشتر چلائے لیکن ان کا کلام کہیں بھی ابتذال کا شکار نہیں ہوا۔ ان کا قلم سماج پر چوٹ تو کرتا ہے لیکن کہیں بھی پھکڑ پن کا شکار نہیں ہوتا۔ ان کا کلام پہلے مسکراہٹ بکھیرتا ہے اور دوسرے ہی لمحے انسان کو ایک گہری سوچ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

کلامِ شاہد کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نظم، غزل اور قطعات میں موضوعات کی رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ وہ یہ مضامین اپنے ارد گرد کے ماحول سے لیتے ہیں۔ ان کی غزلوں اور نظموں میں ہمارے معاشرے کے کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ابھی کرداروں پر طنز کر کے معاشرتی اقدار اور عصری مسائل پر تنقید کرتے ہیں اور یہی تنقید دوسروں کو غور و فکر کی طرف مائل کرتی ہے۔

سرفراز شاہد کے کلام میں طنز کی کاٹ موجود تو ہے لیکن یہ دوسروں کو ناگوار نہیں گزرتی وہ طنز کو شگفتگی کا لبادہ پہنائے مسائل کو صفحہ قرطاس پر بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ بقول مرزا ادیب:

> سرفراز شاہد کی خوبی یہ ہے کہ وہ معاشرے پر طنز کے نشتر چلاتے ہیں کہ پڑھنے والے واہ واہ کرتے ہیں۔ ان کی شگفتہ شاعری میں شائستگی کے ساتھ انفرادیت بھی ہے۔ اپنی تخلیقی صلاحیت کا جوہر دکھاتے ہوئے انھوں نے کبھی شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔[۸]

ادب چونکہ سماج کا آئینہ دار ہوتا ہے اور شاعر زندگی کا ترجمان اس لیے وہ تنقیدِ حیات کے فرائض بھی سرانجام دیتا ہے۔ سرفراز شاہد ادب برائے مقصدیت کے قائل ہیں اور اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے مزاح نگاری کا انتخاب کیا ہے۔ اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ:

> مزاح نگاری سے اصلاحِ معاشرہ کا کام بخوبی لیا جا سکتا ہے۔ میں چونکہ ادب برائے مقصدیت کا قائل ہوں اس لیے مزاح برائے اصلاح کا طرف دار ہوں۔[۹]

سرفراز شاہد معاشرے کے حقیقی نباض شناس ہیں جو ہلکے پھلکے انداز میں طنز کرتے ہوئے سیاسی و سماجی برائیوں کو اپنی غزلوں، نظموں اور قطعات میں بے نقاب کرتے ہیں۔

غزل سرفراز شاہد کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ اگرچہ غزل کے ہر شعر کا ایک الگ مفہوم ہوتا ہے۔ ایسے میں ایسی غزل کہنا جس کے ہر شعر میں سماجی برائی پر طنز موجود ہو مشکل کام ہے لیکن سرفراز شاہد نے اس صنفِ سخن کو اپنی شاعری میں برت کو معاشرتی ناسوروں پر طنز کے وار کیے۔ بقول انور مسعود:

> غزل اور پھر مزاحیہ غزل اور بھی مشکل ہے۔ ہر شعر میں نیا اور انبساط آفرین مضمون لے کر آنا بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔[۱۰]

سرفراز شاہد اپنی ایک غزل میں ڈاکٹر، استاد اور حکمران تینوں کو بیک وقت نشانۂ طنز بناتے ہوئے بدلتی ہوئی اخلاقی قدروں کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہیں۔

لو اپنا مسیحا بھی ہوا ماہرِ امراض
اب مشورہ دیتا ہے دوائی نہیں دیتا

رکھتا نہیں اگر شاگرد اس کی ٹیوشن
استاد اسے درسِ بھلائی نہیں دیتا

سرفراز شاہد کی غزل میں موضوعات کی رنگارنگی پائی جاتی ہے۔انھوں نے عصرِ حاضر کے تمام مسائل کو اپنی غزل میں بیان کیا۔ سیاست، تعلیمی نظام، مغربی و مشرقی تہذیب کا تصادم، مہنگائی، رشوت، سائنسی ایجادات، بدلتی ہوئی اخلاقی قدریں، انسانی رویے اور کئی کردار، استاد، طالب علم، ڈاکٹر، انجینئر، وکیل، سیاست دان، ناصح، ساس، بہو کے طرزِ فکر کا قریب سے مشاہدہ کرتے ہوئے معاشرتی برائیوں اور انسانی رویوں پر کاری ضرب لگائی۔

سرفراز شاہد کی غزل کی طرح ان کی نظم بھی فکر سے بھرپور ہے۔ان کا فکری شعور تمام مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ان کی نظموں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جو ان کی نظر سے او جھل ہو۔ان کی نظموں میں معاشرے کے تمام کردار اپنے مخصوص طرزِ زندگی کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں اور وہ انھی کرداروں کے ذریعے معاشرتی برائیوں کو بے نقاب کرتے چلے جاتے ہیں۔

سرفراز شاہد کی نظموں میں طنز و مزاح بھی ہے اور اخلاقی زوال کا نوحہ بھی۔ان کی نظم میں ارد گرد پھیلی بدعنوانیاں بھی نظر آئیں گی اور معاشرتی ناہمواریاں بھی۔وہ سماجی برائیوں پر مزاحیہ انداز میں چوٹ تو کرتے ہیں تاہم ان کا اصلاحی پہلو سب سے نمایاں ہے۔بقول سرفراز شاہد:

> میری نظر میں ایک عمدہ مزاحیہ شعر وہ ہے جو نہ صرف قاری کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دے بلکہ شائستہ اسلوب کا حامل بھی ہو، زندگی کے مسائل کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر لطیف پیرائے میں طنز بھی کرے۔[۱۱]

سرفراز شاہد حقیقتاً طنز و مزاح کے شاعر ہیں۔وہ زندگی کے تلخ اور سنجیدہ مسائل کو فکاہی ادب میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انھیں اپنی ظریفانہ تحریر اور طنزیہ اندازِ فکر سے دلچسپ بنادیتے ہیں۔اپنی نظم "بیوٹی کلینک" میں بدلتے ہوئے فیشن کے تقاضوں کو نشانۂ طنز بنایا کہ انسان میک اپ سے ظاہری طور پر حسین تو لگتا ہے لیکن میک اپ کا استعمال انسان کی ریاکاری اور باطنی بدصورتی کو نہیں چھپا سکتا۔نظم کے آخری شعر میں انسان کے باطن پر گہری چوٹ کی ہے۔

> میرے پیشِ نظر اک دکان فتنہ گر یارو کہ جس کا نام ہے سیما بیوٹی پارلر یارو لب و رخسار و گیسو کا یہ رنگین، کارخانہ ہے۔حسیناؤں کا اکثر اسی دکان پر آنا جانا ہے۔ بجھی اور آدھ بجھی شعلوں کو یہ پُرنور کرتی

ہے۔ مناسب ادویہ سے داغ دھبے دور کرتی ہے۔ لگا ہو داغ دامن پر کوئی دھو نہیں سکتا۔ علاج اس کا بیوٹی پارلر میں ہو نہیں سکتا۔[12]

ایک اور جگہ طنز کا تیکھا انداز دیکھیے:

میں بھی دیکھوں اصلی صورت انساں کی
کاش کوئی چہرہ میک اپ سے عاری ہو

سائنسی ایجادات نے جہاں انسانی زندگی کو سہل بنایا وہاں بے پناہ مسائل کو بھی جنم دیا۔ سرفراز شاہد کی شاعری میں ہمیں سائنسی ایجادات واختراعات کا ذکر کثرت سے ملے گا۔ وہ جگہ جگہ اپنے کلام میں سائنسی ایجادات کے منفی استعمال پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔

سائنسی ترقی نے انسان کو ایک پُر تعیش زندگی تو عطا کی لیکن انھی ایجادات کے منفی استعمال نے نوجوان نسل کے اخلاق کو زوال کا شکار کیا اور نہ ہی اخلاقی زوال معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ ان سائنسی ایجادات میں ٹی۔ وی۔، کمپیوٹر، وی۔ سی۔ آر، سمارٹ فون نمایاں ہیں جن کے منفی استعمال سے بچے غلط سرگرمیوں میں ملوث ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں سرفراز شاہد کا کہنا ہے:

کمپیوٹر کے صدقے جائیں
بچے انٹرنیٹ پر آئیں
چیٹ کریں اور عشق لڑائیں
ممی ڈیڈی خیر منائیں[13]

اپنی غزل میں بڑی دلیری سے انسانوں کے دوغلے معیار اور اخلاقی پستی پر طنز کرتے ہوئے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

شب کو تکتا ہے" سیکس ویب سائٹ
دن میں جو بھی حیا کا پتلا ہے[14]

ایک اور جگہ اخلاقی زوال کی وجہ سائنسی ایجادات کو قرار دے کر بڑی عمدگی سے طنز کرتے ہیں:

خیر ہوئی ٹی وی کی یارب ڈیڑھ سالہ بچیاں
ناچتی پھرتی ہیں گھر میں تک دھنا دھن دھن کے ساتھ [۱۵]

سرفراز شاہد کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالصتاً اپنے معاشرے سے لیا گیا ہے۔ان کے خیالات کی جڑیں اپنی مٹی سے جڑی ہوئی ہیں اور اپنی مٹی سے جڑے ہوئے شخص کے لیے اقدار کا بدل جانا اور روایات کا لڑکھڑانا شاید بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔یہی دکھ جب سرفراز شاہد کا قلم محسوس کرتا ہے تو وہ سارے عالم کا دکھ بن جاتا ہے۔اکیسویں صدی میں ہم اپنے اخلاقی معیار اور قدیم روایات سے کسی قدر دور ہو چکے ہیں۔یہی دکھ اور کرب سرفراز شاہد کے قلم کو لکھنے کے لیے اکساتا ہے۔ان کا قلم بظاہر شگفتہ انداز میں لکھتا ہے لیکن ذرا غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدلتے ہوئے زمانے کو قبول تو کر رہے ہیں لیکن قدیم روایات کے بدلنے پر نالاں بھی ہیں۔

میں نہیں اب نامہ بر کا منتظر
ان کی جب ای میل آئی، دیکھ لی
اب تو انٹرنیٹ میں ہے تصویرِ یار
جونہی ویب سائٹ ملائی، دیکھ لی [۱۶]

افتخار عارف لکھتے ہیں کہ:

> سرفراز شاہد کے موضوعات میں بڑا تنوع اور رنگا رنگی ہے۔ان کا بنیادی موضوع مشرقی نظام اقدار کا انہدام و انتشار ہے۔مغربی تہذیب کی نقالی اور بدلتے ہوئے زمانوں میں مشرق کی قدروں کے محاذ پر پسپائی سرفراز شاہد کو ملول کرتی ہے۔[۱۷]

سرفراز شاہد اتنی مہارت سے طنزیہ ہتھیاروں کا استعمال کرتے ہیں کہ وہ نقصان پہنچائے بغیر اپنا کام کر دکھاتا ہے اور یوں شاعر کا نشانہ خطا نہیں ہوتا۔

قدیم روایات کے کھو جانے کا انھیں بہت دکھ ہے۔ایک جگہ اکیسویں صدی میں بدلتی قدروں پر گہری چوٹ کرتے ہیں۔

ای میل بھیج دی ہے اُس نے ملا کے نظریں
محبوب کا نرالا انداز ہو چکا ہے
ہوں گی محبتیں بی اب کمپیوٹرانہ
اکیسویں صدی کا آغاز ہو چکا ہے[18]

اپنی نظم "بدلتی قدریں" میں مشرقی اقدار کی بے قدری، مغربی اقدار کی پاسداری اور مغربیت کی تقلید کے باعث اپنی تہذیب کا نوحہ لکھ کر ہماری مصنوعی زندگی کو نشانۂ طنز بنایا ہے۔

مثال:

جب سے نوراں بنی ہے مس نورین
محفلوں میں کھڑاک کرتی ہے
پہلے اُردو میں بات کرتی تھی
اب وہ انگلش میں "ٹاک" کرتی ہے
وہ جو ہرنی کی چال چلتی تھی
آج کل کیٹ واک کرتی ہے[19]

دورِ حاضر کسادی دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آج کا انسان مادیت کی دوڑ میں اتنا آگے نکل گیا ہے کہ وہ دنیا کی ہر خوشی پیسے سے خریدنا چاہتا ہے۔ حالانکہ حقیقی خوشی کا تعلق پیسے سے نہیں ہے لیکن نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ پیسہ ہی انسان کو ایمان بن گیا ہے۔

آج کے دور میں پیسوں کے عوض انسان اپنا ایمان تک فروخت کر دیتا ہے۔ رشتوں کی تمیز مادیت نے بھلا دی ہے۔ آج پیسے ہی کی بدولت انسان کی عزت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس پیسہ ہے تو ہر شخص آپ کا دوست ہے۔ انھی تلخ حقائق اور انسانی رویوں کو وہ کچھ یوں طنز کا نشانہ بناتے ہیں:

ہوں نوٹ اگر جیب میں ہر یار تمھارا
بازار میں نکلو گے تو بازار تمھارا

نوٹوں ہی سے ہے زیست کا معیار تمھارا
دم بھرنے لگے ہر کوئی سرکار تمھارا
گویا یہاں انسان کی پہچان ہے پیسہ
دنیا میں اب انساں کا ایماں ہے پیسہ[۲۰]

پیسے کا اگر مثبت استعمال نہ ہو تو انسان خود کو حاکمِ اعلیٰ سمجھ لیتا ہے اور ہر کام طاقت کے زور پر کر کے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور تعلیم کی حقیقی روح سے محروم ہو جاتا ہے۔

سرفراز شاہد ایک جگہ کامیابی کی کنجی "پیسہ" کو قرار دے کر مادیت پر گہری چوٹ کرتے ہیں:

کسی محفل میں ہم نے ڈبل ایم۔اے سے یہ پوچھا
کوئی ترکیب بتلاؤ ہمیں بھی کامیابی کی
تو فرمانے لگے کچھ نوٹ خرچو، ڈگریاں لے لو
اس تدبیر میں ممکن نہیں صورت خرابی کی[۲۱]

مشرقی تہذیب کا زوال اور مغرب کی اندھا دھند تقلید سرفراز شاہد کی شاعری کا موضوعِ خاص ہے۔ اگرچہ تم نے کئی دہائیاں پہلے برطانوی ملوکیت سے آزادی حاصل کر لی تھی لیکن آج بھی ہم ذہنی اور نفسیاتی طور پر ان کے زیرِ اثر ہیں۔ ہماری تہذیب و ثقافت اہلِ مغرب کی تقلید کا آئینہ دار ہے۔

من حیث القوم ہم نے مشرقی تہذیب کو بھلا دیا ہے۔ مغرب کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ہم نے کھانے پینے، اوڑھنے، زبان و بیاں میں مغربی تہذیب کو اپنا لیا ہے۔ علم و فضل کا معیار انگریزی زبان کو بنا دیا ہے حتیٰ کہ انگریزوں کی پیروی میں ہم نے مشترکہ خاندانی نظام کو ذلیل سمجھ کر بوڑھے والدین کو اولڈ ہارس کی زینت بنا دیا ہے۔ سرفراز شاہد اپنی شاعری میں جدید تہذیب پر کچھ اس انداز میں طنز کرتے ہیں:

اُس نے لمبے کیے اور اس نے لٹائے گیسو
مرد ویسا تو نہ تھا، زن کبھی ایسی تو نہ تھی[۲۲]

ایک اور جگہ نوجوان نسل کی فحاشی و عریانی پر نوحہ کناں ہیں:

جن سے ڈسکو گیت میں آتی ہیں گرما گرمیاں
چند چیخیں اور چھلانگیں، ساتھ کچھ بے شرمیاں
سنگروں کے ایک سے حلیے پہ ہم حیران ہیں
کون ان میں "محترم" ہیں، کون ہیں "محترم میاں"![۴۳]

نوجوان نسل کسی بھی قوم کا سرمایہ ہوتی ہے۔ وہ مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔ یہی معمار جب اعلیٰ اخلاقی اقدار کو پسِ پشت ڈال کر زوال کی طرف جاتے ہیں تو معاشرہ خراب ہو جاتا ہے۔ تہذیب کی تقلید میں اس حد تک آگے جا چکے ہیں کہ خود شناسی کی منزل بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ یہ بات ایک حساس شاعر کو اسی حد تک متاثر کرتی ہے کہ اس کا قلم کچھ اس انداز میں انگڑائی لیتا ہے۔

مغربیت کی بحر اپنائی
مشرقی قافیہ بدل ڈالا
یوں بگاڑا ہے اپنے کلچر کو
اس کا جغرافیہ بدل ڈالا[۴۴]

دراصل ہندوستانی لوگ روایت سے جڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے بزرگ اپنی روایات کے سنگم پر کھڑے ہیں جبکہ عصرِ حاضر کا نوجوان ان روایات کا باغی ہے۔ وہ ان کو اپنی راہ میں پابندی اور رکاوٹ خیال کرتا ہے۔

نظم "جنریشن گیپ" میں اسی طرح کا نوجوان اپنے خیالات کو بیان کرتے ہوئے اپنی شخصیت کو واضح کرتا ہے۔

چلے گئے لوگ سب پرانے
بزرگ اور معتبر سیانے
اب آ گئے ہیں نئے زمانے
نئے زمانے کا ترجمان ہوں

کہ میں نئی نسل کا نوجوان ہوں

روایتوں سے میری بغاوت
ہے نام سے دین کی عداوت
ہے کیا ادب اور کیا شرافت
میں ایسی باتوں سے بنگاں ہوں
کہ میں نئی نسل کا نوجوان ہوں[۲۵]

ڈاکٹر وحید قریشی سرفراز شاہد کے بارے میں لکھتے ہیں:

ہماری معاشرتی زندگی کی کئی خامیاں اسے لکھنے پر اکساتی ہیں۔ خصوصاً جدیدیت کے وہ عناصر جن کے پیچھے ہم ۱۹۴۷ء سے بھاگ رہے ہیں۔ اسے مضحکہ خیز دکھائی دیتے ہیں۔[۲۶]

اردو شاعری میں شیخ، ناصح، واعظ کا کردار ابتداء ہی سے موجود رہا ہے۔ طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں شعراء انھی کرداروں کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں نیز معاشرتی کج رویوں پر چوٹ کرتے ہیں اور مولویوں کے دوغلے معیار کو بے نقاب کرتے ہیں۔

سرفراز شاہد نے بھی مولویوں کو ہی فرقہ بندی کی اصل وجہ قرار دیا ہے۔

مسلمان کی خواہش ہے کہ سب ایک ہو جائیں
مگر ان کو اکٹھا مولوی ہونے نہیں دیتے

عمل کے بغیر علم بے سود ہے۔ ہمارے معاشرے کا شیخ معلومات کی بنا پر نصیحتیں کرتا ہے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ وہ دین کو پیسہ کمانے اور لوگوں میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ سرفراز شاہد نے ایسے ہی واعظ کی منافقت اور دوہرے معیار پر گہری چوٹ کی۔

دنیا کی طلب ہے کسے عقبیٰ کی بھی خواہش
تخریف کے پردے میں وہ تعمیر بھی چاہیے
بے پردگی زن کا مخالف بھی ہے ناصح

ٹی وی پہ پری چہرہ کی تصویر بھی چاہیے[۲۷]

سرفراز شاہد شیخ کی عبادت کو طاعت کے بجائے تجارت سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی نظر ہمیشہ جنت کی حور و غلماں پر رہتی ہے۔

اپنے ایک شعر میں بڑی عمدگی سے مولانا کے اس رویے پر طنز کرتے ہیں۔

ڈش انٹینا کے رستے روز آتی ہے مرے گھر میں
وہ حوریں جن کے چکر میں ہیں یہ مولانا برسوں سے[۲۸]

سرفراز شاہد کی شاعری میں ادیب، ڈاکٹر، وکیل ہر مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے کردار نظر آتے ہیں۔ وہ ان کرداروں کے ذریعے معاشرتی رویوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔

ادیب کی حیثیت ایک ڈاکٹر کی سی ہے۔ وہ سماج کا ڈاکٹر ہوتا ہے اور معاشرے میں پلنے والے ناسوروں کے بخیے ادھیڑتا ہے۔ سماجی برائیوں کی نشان دہی کرتا ہے لیکن آج کے اس نفسا نفسی کے دور میں دانشور کو بھی صرف اپنی ہی فکر لاحق ہے۔ اسی طرح کے اہل فکر پر سرفراز شاہد کچھ یوں چوٹ کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں جو ہیں دانشوروں کی دو بڑی قسمیں
چلو ہم آج دو مصرعوں میں ان کا ذکر کرتے ہیں
جو ہیں اہل نظر ان کو نظر کچھ نہیں آتا
جو اہل فکر ہیں وہ صرف اپنی فکر میں رہتے ہیں[۲۹]

ڈاکٹر مسیحا ہوتا ہے لیکن آج کے اس دور میں مادیت نے مسیحا سے مسیحائی بھی چھین لی ہے۔ اس کی نظر میں انسانی جان کی قیمت کچھ نہیں۔ پیسہ ہی انسان کا ایمان بن چکا ہے۔

تم چارہ گر سے برسر پیکار کیوں ہوئے؟
پیسے نہیں تھے پاس تو بیمار کیوں ہوئے؟[۳۰]

ڈاکٹر صرف مشورہ دینے کی کئی کئی ہزار فیس وصول کر لیتے ہیں۔ سرفراز شاہد اسی بے حسی پر لطیف انداز میں طنز کرتے ہیں۔

دیتا نہیں ہے صفت کسی کو وہ مشورہ
محتاط ہو کے اس سے ذرا بات کیجیے
وہ ڈاکٹر تو گھر میں بھی کچھ گفتگو کے بعد
بیوی سے کہہ رہا ہے میری فیس دیجیے[۴۱]

سرفراز شاہد کے موضوعات زندگی کی طرح وسیع و متنوع ہیں۔ ان کی شاعری میں نظیر اکبر آبادی کا رنگ نظر آتا ہے۔ وہ عوامی رنگ میں بات کرتے ہیں۔ ان کا طنز تلخ نہیں ہوتا۔

سید ضمیر جعفری ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> سرفراز شاہد نے مزاح گوئی کو سنجیدگی سے اختیار کیا ہے اور بے تکلفی ہی بے تکلفی میں نہایت سنجیدہ مسائل بیان کر جاتے ہیں۔ اُن کے اسلوب میں نظیر اکبر آبادی اور اکبر الہ آبادی کا امتزاج ملتا ہے۔[۴۲]

دور حاضر میں ہر انسان کو بس اپنی فکر ہے اور وہ اپنے ہی حال میں خوش رہتا ہے۔ دوسروں کا خیال یا ان سے ہمدردی فی زمانہ ناپید ہو چکی ہے۔ اسی طرز فکر کو وہ اپنی نظم "اپنے اپنے ٹھاٹھ" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

مجنوں دشت نوردی سے خوش
مفلس گرمی سردی سے خوش
تھانیدار ہے وردی سے خوش
غنڈہ غنڈہ گردی سے خوش
اپنے اپنے ٹھاٹھ پہ دنیا اے خوش رہتے ہیں[۴۳]

ملاوٹ، بددیانتی، دھوکہ دہی ہمارے معاشرے پاکستان میں عام ہے۔ ملاوٹ اور خرید و فروخت میں خیانت و بددیانتی معمول بن گئی ہے۔ ان برائیوں پر سرفراز شاہد گہری نظر رکھتے ہوئے کچھ یوں رقم طراز ہیں۔

جو تول میں پورا بھی ہو کھانے کے بھی لائق
وہ گوشت کبھی ہم کو قصائی نہیں دیتا [۳۴]

رشوت و سفارش دو ایسے مرض ہیں جو کسی بھی معاشرے میں ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی وجہ سے لوگوں کو ان کے حقوق جائز طریقے سے بھی نہیں حاصل ہوتے۔ معاشرے سے اعلیٰ اخلاقی اقدار، ایثار، رواداری، اخوت وغیرہ ختم ہو جاتی ہے اور انسان صرف خود کے بارے میں سوچتا ہے۔ سرفراز شاہد نے اپنی شاعری میں جابجا ان ناسوروں کو نشانۂ طنز بنایا۔ کہتے ہیں کہ

صاحب اختیار نے پارو
صرف رشوت کو اختیار کیا [۳۵]

اپنی نظم "دفتر نامہ" میں کچھ اس انداز میں طنز کرتے ہیں۔

جو آشنا میری فائل سے ہے وہی بابو
کبھی نہ مجھ کو ملا درد آشنا بن کر
جو میں نے گرم کی اک اہلکار کی مٹھی
تو اس نے کام کر دیا میرا چچا بن کر [۳۶]

انسانی زندگی کے ہر رویے اور معاشرتی برائیوں پر سرفراز شاہد کی نظر ہے۔ ان میں کرپشن ایک ایسی برائی ہے جس کی وجہ سے پاکستان مصائب و مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ کرپشن کے ناسور نے سرکاری اداروں کو تباہ کر دیا ہے۔ سرفراز شاہد کرپشن پر کچھ اس انداز میں طنز کرتے ہیں۔

یوں تو پہلے بھی تھی، کامن کبھی ایسی تو نہ تھی
ملک پورے میں کرپشن کبھی ایسی تو نہ تھی [۳۷]

موجودہ دور میں مہماں بسا اوقات رحمت کی بجائے زحمت بن جاتے ہیں کہ میزبان بھی اکتا جاتا ہے اور بظاہر ہنستے ہوئے ملتا ہے۔ سرفراز شاہد میزبان کی اندرونی حالت سے آگاہی رکھتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں طنز کرتے ہیں۔

تقاضا یہ کا میزبانی ہے
کہ آئے مہماں تو مسکرا دو
مگر طبیعت یہ چاہتی ہے
کہ گلے ملے اور گلہ دبا دو[۳۸]

سرفراز شاہد اپنی شاعری میں معاشرتی ناہمواریوں، اردگرد پھیلی بدعنوانیوں اور دورِ حاضر کے مسائل مثلاً مہنگائی، لوڈشیڈنگ پر مزاحیہ انداز میں طنز کرتے نظر آتے ہیں۔

لوڈشیڈنگ نے عوام کا جینا محال کر رکھا ہے۔ ایسے میں سرفراز شاہد بڑے خوب صورت انداز میں طنز کرتے ہیں کہ

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل نشانہ ہے "لوڈ شیڈنگ" کا[۳۹]

مہنگائی ایک ایسا مسئلہ ہے جس نے غریب کو غریب تر بنا دیا ہے۔ ہر شخص فکرِ معاش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ مہنگائی کے اس دور جن کا احساس سرفراز شاہد کو بخوبی ہے ایسے میں ان کا قلم کچھ اسی انداز میں انگڑائی لیتا ہے۔

معاملاتِ محبت کا یہ عالم ہے
میں پیار پیار کروں اور وہ پیاز پیاز کرے[۴۰]

سرفراز شاہد عورت کی نفسیات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ عورت ہر کردار میں ان کی شاعری میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ عورت کے لیے بڑا مشکل ہوتا ہے کہ اپنی بڑھتی عمر کو قبول کرنا اسی رویے پر سرفراز شاہد کچھ یوں رقم طراز ہیں۔

عورت کی عمر جاننا دشوار ہے بہت
جتنی بھی وہ بتائے اسے مان جایئے
کم سن لگے، جوان لگے یا لگے ضعیف
بس عمر پر نہ جایئے، قربان جایئے[۴۱]

سرفراز شاہد کی شاعری کا دائرہ کار محدود نہیں ہے۔ان کی نظر ملکی، غیر ملکی ہر طرح کے مسائل پر ہے۔ان کے لہجے میں طنز ہوتا ہے لیکن اس کے پس پردہ دشمنی نہیں بلکہ محبت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔بقول احمد ندیم قاسمی

> ہم ان دنوں جن معاشرتی آشوب سے گزر رہے ہیں اسے کوئی بھی سنجیدہ یا مزاحیہ شاعر نظرانداز نہیں کرے گا۔ سرفراز شاہد نے مروجہ معاشرتی معیاروں پر بہت زور کی چوٹیں کی ہیں۔ [۴۲]

گداگری ایسی لعنت ہے جو انسان کی خودی کو اسے بے ضمیر بنا دیتی ہے۔ یہ معاشرتی برائی آج کل عروج پر ہے جس نے قوم کو مردہ بنا دیا ہے۔اس پر کچھ اس انداز سے طنز کرتے ہیں۔

آج کل چاند رات میں کیا کیا
ماہرین گدائی کرتے ہیں
پہلے تاجر کمائی کرتے ہیں
اب گداگر کمائی کرتے ہیں [۴۳]

خوشامد ایسی برائی ہے جو انسان کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے اور اسے احساس بھی نہیں ہوتا کہ تعریف کرنے والے یہ لوگ درحقیقت اپنے کام نکالنا چاہ رہے ہیں اور یہ سچ ہے کہ آج کے دور میں خوشامد، رشوت، سفارش کے بغیر کام نہیں کیا جاتا ہے۔اسی رویے پر سرفراز شاہد یوں طنز کرتے ہیں۔

مسکہ لگا کے باس کو اپنا بنا لیا
شاہد یہ جانتا ہے کہ جادو بٹر میں ہے [۴۴]

سرفراز شاہد کی شاعری میں ان کے قلب کی دردمندی موجود ہے۔انھوں نے شاعری کو روایتی موضوعات کے کینوس سے باہر نکالا۔ان کی شاعری اپنے معاشرے کی آئینہ دار ہے بلکہ اس میں عالمی سطح پر ہونے والی دھاندلی، بیدادگری کا بھی ذکر ہے۔اس میں معاشرے میں پھیلی ان تمام برائیوں کا ذکر ہے جن کی جڑیں ہمارے معاشرے میں مضبوط ہو چکی ہیں۔

انھی برائیوں میں ایک رسم جہیز کی ہے۔جہیز ایک ایسی لعنت ہے جس نے معاشرے کو بہت سے مسائل

سے دوچار کیا ہوا ہے۔ اسی کے بارے میں اپنے طنزیہ اسلوب میں بہت درست کہتے ہیں کہ

بھینگی اگر دلہن ہے ذرا سی تو کیا ہوا
لاکھوں کا مال بھی تو ہماری نظر میں ہے [۴۵]

ایک اور جگہ دیکھیے۔

شادی میں لے کے آئے گی جب دو ٹرک جہیز
بیٹی تمھاری راج کرے گی گھرانے میں

سرفراز شاہد کے ہاں خارجی مسائل کا ذکر نمایاں ہے۔ وہ ہمارے معاشرتی، سیاسی رویوں کے مضحک پہلوؤں پر نظرِ خاص رکھ کے ہمیں دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ ان مسائل کو حل کیا جائے۔

ڈاکٹر وحید قریشی ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

> وہ ایک درد دل رکھنے والا پاکستانی ہے۔ اس کے کلام میں طنز کا لہجہ ابھرا ہوا ہے۔ اس کے ہاں اکبر کا اسلوب نمایاں ہے۔ وہ گدگداتا بھی ہے اور چٹکیاں بھی لیتا ہے۔ [۴۶]

سیاست کا موضوع سرفراز شاہد کی شاعری میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ابتدائی مجموعہ کلام میں سیاست پر اشعار کم ملتے ہیں لیکن جیسے جیسے ان کا فکری شعور ارتقائی منازل طے کرتا ہے تو پھر ان کی شاعری میں سیاست دانوں کے طرزِ زندگی ان کے جھوٹے وعدوں اور سیاسی اونچ نیچ پر طنز کو واضح محسوس کیا جا سکتا ہے۔

سرفراز شاہد ملکی سیاست اور سیاست دانوں کی پُر تعیش زندگی کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں وزیر، مشیر، منسٹر سب کی عادات و خصائل کا علم ہے اور انھی عادات و خصائل کو وہ نشانۂ طنز بناتے ہیں۔

جب تک کہ کئی مرتبہ اندر نہیں ہوتا
تب تک وہ میری قوم کا لیڈر نہیں ہوتا

ایک اور جگہ سیاسی لیڈروں کی پُر آسائش زندگی اور ٹھاٹھ باٹھ کو بیان کرتے ہیں۔

ہمارے رہنما تو جیل میں بھی
نہاری اور تنجن چاہتے ہیں

پاکستان میں سیاست ایک دلچسپ امر ہے۔ حکمران بیانات کے ذریعے اپنی حکومت چلاتے ہیں۔ دراصل یہ بیانات اور خطابات حکومت کے لیے پٹرول اور ایندھن کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ سیاست کو تجارت سمجھ کر عوام کو بے وقوف بناتے ہیں۔ اسی رویے پر سرفراز شاہد کچھ یوں طنز کرتے ہیں۔

لیڈر جو سیاست کو سمجھتے ہیں تجارت
اخبار میں دیتے ہیں بیانات کمرشل[47]

سرفراز شاہد پاکستانی سیاست دانوں کی رگ رگ سے واقف نظر آتے ہیں جو بظاہر خود کو عوام کا جو ہمدرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن حقیقت میں انھیں صرف ووٹ اور اقتدار کی کرسی سے مطلب ہوتا ہے اور وہ اس کرسی کو حاصل کرنے کے لیے بے ایمانی سے کمائی گئی دولت کو خوب لٹاتے ہیں۔ اس پر سرفراز شاہد کا ایک قطعہ ہے۔

ہیرا پھیری کی جو کمائی ہے
وہ الیکشن میں جا لٹائی ہے
نوٹ دیتا ہے ووٹ لیتا ہے
اور لیڈر میں کیا برائی ہے[48]

ایک اور جگہ سیاست دانوں کے مشترکہ مقصد پر کچھ یوں طنز کرتے ہیں۔

یہی ہے ایک قدرِ مشترک اہلِ سیاست میں
کہ سب کرسی کے چکر میں بہت ثابت قدم نکلے
امارت کی، وزارت کی، سفارت کی، صدارت کی
ہزاروں کرسیاں ایسی کہ ہر کرسی پہ دم نکلے[49]

سرفراز شاہد نے ہمارے معاشرے میں موجود روزمرہ مسائل کو طنز و مزاح کے لبادے میں پیش کیا ہے۔ ان

کے ہاں موضوعات کا اتنا تنوع ہے کہ انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ زندگی کا ایسا کون سا پہلو ہے جس پر انھوں نے نہیں لکھا۔

اپنی نظم "ٹن پرسنٹ" میں وہ انسانی رویوں پر خوب طنز کے نشتر چلاتے ہیں۔ مقالہ نگاروں پر بڑے خوب صورت انداز میں طنز کر کے حقیقت کو بیان کیا ہے۔ ہمارے بیشتر سکالرز کتب سے مکمل استفادہ کیے بغیر مقالے لکھ لیتے ہیں۔ سرفراز شاہد اس حقیقت سے بخوبی آگاہی رکھتے ہوئے طنز کرتے ہیں کہ

دس مقالے گھسیٹ مارتے ہیں
ہم نے پڑھ کر کتاب، ٹن پرسنٹ[۵۰]

تعلیم کا حصول ہر مرد و عورت پر یکساں لازم کر دیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ تعلیم کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور اسی تناظر میں اپنے بچوں کو علم کی شمع سے روشناس کروانا ہر والدین کی اولین ترجیح ہے۔ اس کے لیے والدین ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ اپنے بچوں کو معیاری تعلیم دلوائیں اور اسی وجہ سے وہ پرائیویٹ سکولوں کا رخ کرتے ہیں۔ معاشرے کے اسی رجحان کو دیکھتے ہوئے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی پرائیویٹ سکول کھول لیتا ہے۔ پاکستان کے نام نہاد پرائیویٹ سکولز تعلیم کی کوالٹی کے نام پر بچوں کے مستقبل سے کھیل رہے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ہمارا یہ رویہ سرفراز شاہد کی نظروں سے اوجھل نہ رہا۔ انھوں نے اس کا بھرپور تمسخر اڑایا۔ اپنی نظم "پرائیویٹ سکول" کے آخری دو اشعار میں وہ ہنستے ہنستے گہری چوٹ کر گئے۔

کیسی انگلش، کیسی اردو، کیسا میڈیم
ان اداروں کا حقیت میں ہے پیسہ میڈیم
ہے متاعِ و دانش تاجروں کے ساتھ میں
یعنی شاہینوں کی قسمت کرگسوں کے ہاتھ میں[۵۱]

پرائیویٹ سکولز میں طلباء کے لیے جو نصاب مختص کیا جاتا ہے۔ اس سے صرف بستہ ہی بھاری نہیں ہوتا بلکہ طلبہ کی ذہنی سطح کے لحاظ سے بھی اضافی بوجھ ڈالتا ہے۔ اسی نصاب پر کچھ یوں چوٹ کرتے ہیں۔

منے پر ہے اتنا بوجھ کتابوں کا
بیچارے کو چلنے میں دشواری ہے
اس کا بستہ دیکھ کے ایسا لگتا ہے
پی۔ایچ۔ڈی۔ سے آگے کی تیاری ہے

سرفراز شاہد ایک حساس دل کے مالک انسان ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں عالمی جبر واستحصال کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ وہ یو۔این۔او۔ پر طنز کرتے ہوئے مقبوضہ ممالک مثلاً فلسطین، کشمیر کے اندر حصولِ آزادی کے لیے نیا جوش اور ولولہ پیدا کرتے ہیں۔

چھین کے لو اپنی آزادی
ٹیبل ٹاک سے کیا حاصل ہے
تم کو "یو۔این۔او" کیا دے گا
جس کے نام میں "نو" شامل ہے

سرفراز شاہد کی شاعری میں ایک نمایاں پہلو تیسری دنیا کے مسائل ہیں۔ وہ تیسری دنیا کے مسائل حل نہ ہونے کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کو قرار دیتے ہیں کہ سُپر پاورز اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتی ہیں اور تیسری دنیا کے ممالک کو کٹھ پتلی کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ تیسری دنیا مسائل کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔

سرفراز شاہد کی نظر عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں پر بھی ہے اور ایک سچے شاعر کی پہچان ہے کہ وہ ساری دنیا کے لوگوں کے درد کو محسوس کرتا ہے۔ زندگی کو ہر پہلو سے سمجھتا اور پھر اس کے اظہار پر قدرت بھی رکھتا ہے۔

اس وقت دنیا کے وہ ترقی یافتہ ممالک جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دوسری قوموں کے مسائل حل کر رہے ہیں اور تیسری دنیا کے ممالک کو انھوں نے کٹھ پتلی سمجھا ہوا ہے۔ سرفراز شاہد اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ وہ تیسری دنیا پر بڑی گہری چوٹ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

دیکھنے میں یہ تیسری دنیا
ایک خواجہ سرا کا پتلا ہے

ماحولیاتی آلودگی ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے کوئی بھی باشعور انسان نگاہ نہیں چرا سکتا۔ آلودگی کا یہ مسئلہ کسی ایک فرد، معاشرے یا ملک کا نہیں بلکہ تمام انسانوں کا مسئلہ ہے۔ سرفراز شاہد کا فکری شعور آلودگی پر کچھ اس انداز میں طنز کرتا ہے۔

شہر و بن میں کاربن، روزن تہیہ اوزان میں
رنگ لائی ہیں" گلوبل ورلڈ" کی سرگرمیاں
موسموں پر ہو گیا آلودگی کا یوں اثر
سردیوں میں گرمیاں ہیں، گرمیوں میں سردیاں[۵۲]

سرفراز شاہد کی شاعری صرف خارجی مسائل کا احاطہ نہیں کرتی بلکہ وہ انسانی نفسیات خصوصاً عورت کی نفسیات سے بخوبی آگاہی رکھتے ہیں۔ ان کی نظم "جمع، تفریق، ضرب، تقسیم" میں عورت کی نفسیات کی عکاسی ہے۔ اس نظم کا آخری شعر معاشرتی حقیقت پر گہری چوٹ کرتا ہے۔

عورتیں عمر جب بتاتی ہیں
دو سے تقسیم کرتی جاتی ہیں
اور جو "سیلری" ہو شوہر کی
ضرب دو سے اسے لگاتی ہیں
اپنی ہمجولیوں کی عمروں میں
دس برس جمع کر دکھاتی ہیں
جا کے سسرال اپنی نندوں کو
گھر سے تفریق کرتی جاتی ہیں

سرفراز شاہد کی شاعری میں نہ صرف انسان کی انفرادی شخصیت کی خامیوں کا بیان ہے بلکہ معاشرے میں پھیلے ان تمام ناسوروں کا ذکر ہے جن کی جڑیں ہمارے معاشرے میں مضبوط ہو چکی ہیں۔ رشوت، ناانصافی، ریاکاری، ڈبل سٹینڈرڈ، تعلیمی نظام کی بدحالی، تیسری دنیا کے مسائل، روزمرہ انسانی مسئلے، مہنگائی، جھوٹ، ملاوٹ، رشتوں سے غداری وغیرہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو ان کے احاطہ قلم میں نہ آیا ہو۔

ان کے دل میں انسانیت کا درد موجود ہے۔ان کی شاعری میں صرف ایک خطہ ارض کے لیے محدود نہیں بلکہ انھوں نے بین الاقوامی مسائل کو بھی بیان کر کے اپنے انسان دوست ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

انھوں نے اپنی شاعری میں سپر پاورز کی اجارہ داری، عالمی طاقتوں کی دہشت گردی، ماحولیاتی آلودگی اور تیسری دنیا کے مسائل کو بیان کیا جوان کے فکری شعور کی عکاسی کرتی ہے۔ سرفراز شاہد جذبہ حب الوطنی سے سرشار نظر آتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ملک میں موجود برائیوں کو اس طرح نشان زد کیا ہے کہ اصلاح کا پہلو غالب رہے۔ان کی شاعری عصرِ حاضر کے مسلسل اور انسانی بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ان کی شاعری کا ایک اہم موضوع مشرق و مغرب کا تہذیب کا تصادم ہے۔انھوں نے اپنے کلام میں مغربی تہذیب کی خامیوں کا مذاق اڑایا اور اندھی تقلید کرنے والوں پر چوٹ کی۔ وہ بدلتی ہوئی اقدار پر نوحہ کناں ہیں۔ان کی شاعری میں عوامی رنگ نظر آتا ہے۔الغرض سرفراز شاہد نے اپنی شاعری میں عصرِ حاضر کی ایسی تصویر کشی کی کہ زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جوان کے قلم کی گرفت سے بچ گیا ہو۔

ان کی شاعری فکر و فن کا حسین امتزاج ہے۔اسی بناء پر وہ اپنے عصر شعراء میں منفرد نظر آتے ہیں اور اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انور مسعود، شاخِ تبسم(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۳۲۔

۲۔ ایضاً، ص ۱۳۲۔

۳۔ نمرا ارشد، تحقیقی مقالہ بعنوان سرفراز شاہد : سوانح اور شاعری (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء)، ص ۷۔

۴۔ مجتبیٰ حسین، "اردو ادب میں طنز و مزاح" مشمولہ تحریر نو ، شمارہ نمبر ا (نئی دہلی: ۱۹ مارچ ۲۰۲۰ء)۔

۵۔ سید ضمیر جعفری، دیباچہ، بلا تکلف(اسلام آباد: بزمِ اکبر، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۱۔

۶۔ وحید قریشی، ماہنامہ نیرنگِ خیال(راولپنڈی: اپریل ۲۰۰۴ء)، ص ۳۷۸۔

۷۔ سرفراز شاہد، اردو کی مزاحیہ شاعری(اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۱ء)، ص ۳۲۔

۸۔ مرزا ادیب، "آراء" مشمولہ نیرنگِ خیال(راولپنڈی، اپریل ۲۰۰۴ء)، ص ۳۷۹۔

۹۔ سرفراز شاہد، انٹرویو، اُردو نامہ اساس (۶ مئی ۱۹۹۷ء)۔

۱۰۔ انور مسعود، شاخِ تبسم(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۰۔

۱۱۔ سرفراز شاہد، گفتہ شگفتہ (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۸۔

۱۲۔ سرفراز شاہد، بلا تکلف(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۲۱۔۲۳۔

۱۳۔ سرفراز شاہد، گفتہ شگفتہ، ص ۶۲۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۴۔

۱۵۔ سرفراز شاہد، بلا تکلف، ص ۲۴۔

۱۶۔ سرفراز شاہد، گفتہ شگفتہ، ص ۶۹۔

۱۷۔ افتخار عارف، دیباچہ ڈش انٹینا (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۰۔

۱۸۔ سرفراز شاہد، گفتہ شگفتہ، ص ۵۴۔

۱۹۔ سرفراز شاہد، چوکے چھکے (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ص ۸۲۔

۲۰۔ سرفراز شاہد، بلا تکلف، ص ۶۔

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۰۶۔

۲۲۔ سرفراز شاہد، گفتہ شگفتہ، ص۷۷۔

۲۳۔ ایضاً، ص۳۲۔

۲۴۔ سرفراز شاہد،ڈش انٹینا(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص۱۵۴۔

۲۵۔ ایضاً، ص۱۴۸۔

۲۶۔ وحید قریشی، "آراء" مشمولہ نیرنگِ خیال، ص۳۷۸۔

۲۷۔ سرفراز شاہد،ڈش انٹینا، ص۲۳۹۔

۲۸۔ سرفراز شاہد،گفتہ شگفتہ، ص۱۵۰۔

۲۹۔ ایضاً، ص۲۳۔

۳۰۔ ایضاً، ص۹۵۔

۳۱۔ ایضاً، ص۹۶۔

۳۲۔ سرفراز شاہد،بلا تکلف، ص۱۵۔

۳۳۔ ایضاً، ص۱۶۔

۳۴۔ سرفراز شاہد،کچھ تو کہیے(اسلام آباد: بزمِ اکبر، ۱۹۸۰ء)۔

۳۵۔ سرفراز شاہد،گفتہ شگفتہ، ص۱۴۸۔

۳۶۔ سرفراز شاہد،ڈش انٹینا، ص۲۴۵۔

۳۷۔ ایضاً، ص۲۸۱۔

۳۸۔ سرفراز شاہد، گفتہ شگفتہ، ص۱۴۹۔

۳۹۔ سرفراز شاہد،ہیرا پھیری(لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۹۴ء)، ص۵۴۔

۴۰۔ سرفراز شاہد،گفتہ شگفتہ، ص۹۰۔

۴۱۔ ایضاً، ص۸۰۔

۴۲۔ ایضاً، ص۸۱۔

۴۳۔ وحید قریشی، "آراء" مشمولہ نیرنگِ خیال، ص۳۷۸۔

۴۴۔ سرفراز شاہد،ڈش انٹینا، ص۲۳۷۔

۴۵۔ ایضاً، ص۲۶۳۔

۴۶۔ ایضاً، ص۱۰۸۔

۴۷۔ سرفراز شاہد،گفتہ شگفتہ، ص۴۰۔

۴۸۔ سرفراز شاہد،کچھ تو کہیے (اسلام آباد: بزمِ اکبر، ۱۹۸۴ء)، ص۴۵۔

۴۹۔ سرفراز شاہد،ڈش انٹینا، ص۲۳۲۔

۵۰۔ سرفراز شاہد،گفتہ شگفتہ، ص۱۰۴۔

۵۱۔ ایضاً، ص۸۳۔

۵۲۔ ایضاً، ص۸۹۔

باب سوم:

انور مسعود کی شاعری میں طنزیہ عناصر:

فکری جائزہ

باب سوم:

انور مسعود کی شاعری میں طنزیہ عناصر: فکری جائزہ

تعارف: انور مسعود:

انور مسعود ۸ نومبر ۱۹۲۵ء کو نجاہ گجرات (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام انور مسعود ہے اور انور تخلص ہے۔ فارسی، عربی، پنجابی، اردو اور کئی زبانون پر دسترس رکھتے ہیں۔ ایم۔اے فارسی کرنے کے بعد درس وتدریس کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ راولپنڈی گورنمنٹ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر بھی فرائض سرانجام دیے۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر گوئی انور مسعود کی محبوب رہی ہے۔ انور مسعود بنیادی طور پر طنز ومزاح کے شاعر کے طور پر ملکی و بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے سنجیدہ مضامین لکھنا ان کی انفرادیت و مقبولیت کا ثبوت ہیں۔

انور مسعود نے شاعری میں غزل، نظم گوئی اور قطعہ کو خاص اہمیت دی۔ غزل اور نظم کے مقابلے میں قطعات کی تعداد اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں زیادہ رہی ہے۔ انور مسعود کے شعری مجموعوں، جن میں انہوں نے عالمی، ملکی حوالوں سے ماحولیات، سیاسیات و معاشیات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کو قریب سے مشاہدہ کیا اور شاعری کی صورت احوال رقم کیے ہیں۔ ان کے شعری مجموعے میلی میلی دھوپ، درپیش، قطعہ کلامی، اک دریچہ، اک چراغ، روز بروز، سخن در سخن، غنچہ لگا کھلنے اور میلہ اکھاں دا شامل ہیں۔

انور مسعود کے بغیر اردو ادب کی خاص صفت طنز ومزاح کا خانہ پُر سمجھنا ناممکن ہے۔ جب بھی جہاں بھی طنز و مزاح کے قصے چھڑ جائیں، ہنسنے ہنسانے، رونے رلانے کے حوالے آئیں، انور مسعود صفِ اول میں شمولیت دکھاتے ہیں۔ چاہے وہ ادبی شعری محافل (ملکی و بین الاقوامی سطح پر) ہوں، گلی محلوں کی بزم آرائیاں ہوں، تدریسی اداروں کے مقررین ہوں، ٹی وی پروگرام ہوں، کوئی بھی بیٹھک یا نشست ہو انور مسعود کے حوالے گتھیاں سلجھانے حاضرِ خدمت ہوتے ہیں۔ انور مسعود کی شاعری اور مشاعروں میں ان کی سحر انگیزی اور گل افشانیِ گفتار کے حوالے سے سید

ضمیر جعفری لکھتے ہیں کہ:

> مشاعروں کے اسٹار شاعروں کی بات اگر فلمی حوالے سے کی جائے تو میں انور مسعود کو شاعروں کا دلیپ کمار کہوں گا مگر شاعروں کے اس دلیپ کمار کا محض چہرہ ہی تاثر آفریں نہیں، گل افشانی گفتار ہی سحر انگیز نہیں۔ اس کی روح بھی تابدار ہے۔ اس کا شعر جتنا مشاعرے میں چمکتا ہے اتنا ہی کاغذ پر بولتا ہے۔ اس کی شاعری برگد کے درخت کی طرح بہت اونچی اور گہری ہے۔ وہ مشاعرے ہی نہیں لوٹتا دلوں کو بھی تسخیر کرتا ہے۔[1]

انور مسعود کے اردو ادب میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا بہت بڑا تعارف ہیں۔ ان کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ کوئی موقع بذلہ سنجی کو سپرد کیے بغیر ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ فکر و فن کی وسعت ایسی کہ بات سے بات پیدا کرتے اور تضمین کی صورت نقش گری کرتے۔ روزمرہ کے حال احوال اور صورت حال کو ہر زاویے سے دیکھتے اور مضحکہ خیز بناتے۔ ذیل میں انور مسعود کے کلام میں فکری حوالے سے طنزیہ عناصر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

جدید رجحانات کے سبب شاعری میں جدیدیت کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ اردو شاعری زبان و بیان، موضوع، لہجے، اندازِ فکر اور طرزِ احساس کے اعتبار سے متعدد تغیرات سے دوچار ہوئی ہے۔ ادب میں جدید رجحانات کے متنوع پہلو اور کئی سطحیں ہیں۔ عصرِ جدید میں انسان نے مادی اعتبار سے تو خیرت انگیز ترقی کر لی ہے مگر ظاہری ترقی کی چمک اور چکاچوند سے اس کی روح اور باطن کو خاطر خواہ آسودگی نہیں بخشی۔ مشینی دور کی آمد کے ساتھ ساتھ انسان نت نئے مسائل کا سامنا کر رہا ہے۔ اقدار کی شکست و ریخت بڑے پیمانے پر ہوئی جسے اقدار کے زوال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر کے دن بدن پیش آنے والے حالات و واقعات اور نئے نئے چیلنجز سے شعرا حضرات غیر مطمئن ہوئے۔ خیالات کے تصادم سے شعرا کو حیات و کائنات کے تسلی بخش جواب نہ ملے، پر مایوسی، بے بسی، شکست، الجھن، تنہائی، کرب و اضطراب کو جدید انسان کے المیے کے طور پر پیش کیا۔ اس طرح فرد کی ذات کو ادب میں خاص اہمیت دی گئی۔

فکر و سوچ کے تعمیری رجحان کے تحت جدید شعرا ایسی تراکیب کا استعمال کرتے ہیں کہ جن کا تعلق تلاش حقیقت، عرفان و آگہی، مذہب و تصوف سے ہے۔ حقیقت کا متلاشی ہونا اور سکون کی طلب میں ان کی نگاہیں آسمان کی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رجحانات، موضوعات، مسائل اور سماجی برائیوں کے ادراک سے متعلق ممتاز مفتی لکھتے ہیں:

> انور مسعود نے طنز کا سہارا لیا ہے اور ہمارے بیمار جاں بلب معاشرے کی ہر دکھتی رگ سے موضوع ڈھونڈے ہیں۔ مذہب میں جاہل علما کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف، کبھی لاؤڈ اسپیکر کے جبر اور کبھی عید کا چاند دیکھنے کی شعبدہ بازی کے حوالہ سے احتجاج کیا ہے۔ کہیں سڑکوں پر ٹریفک میں نسل عام پر توجہ دلائی ہے۔ کہیں دکانداروں کی فرعونیت اور گرانی کی یلغار کے خلاف دہائی ہے۔ کہیں بیوروکریسی کی خدائی اور رشوت کی حاکیت کے خلاف شکوہ ہے اور کہیں کلچر کے نام پر تین حرف بھیجے ہیں۔[۲]

انور مسعود نے معاشرے کے ناروا اور خراب رویوں کو گہرے مشاہدے سے گزارا ہے۔ انہوں نے لوگوں کے ہونٹوں سے باتیں لے کر عوام کے کانوں کو واپس کر دی ہیں۔ اپنے ارد گرد رونما ہونے والے تغیرات کو بری گہرائی کے ساتھ پرکھا ہے۔ معاشرتی خرابیوں کے حوالے سے انور مسعود کی حساسیت طنز کی صورت ابھرتی ہے۔ تلخ اور مسخ رویے جو چاہے جزوی ہی کیوں نہ ہوں، انہیں شعر میں رقم کیا ہے۔ جس سے لگتا ہے طنز برائے طنز نہیں بلکہ ایک حقیقی نباض کا خلوص یوں بھرا ہوا ہے کہ طنز برائے اصلاح کی طرف توجہ لازماً مبذول ہو جاتی ہے جیسے ایک دفعہ کسی خاتون کے ساتھ زیادتی اور سفاکی کا حادثہ پیش آیا تو اس نے خود کو آگ لگا دی اور جب انور مسعود نے اس خبر کا سنا اور پڑھا تو کچھ عرصہ بعد ان کے ذوقِ قلم سے شعر یوں وارد ہو گیا۔

اُکتا کے ہوس ناک نگاہوں کے ستم سے
اک پیڑ نے شعلوں سے بدن ڈھانپ لیا[۳]

انور مسعود نے اخلاقیات، دینیات، معاشریات، سماجیات، سیاسیات و معاشیات جیسے ہر شعبۂ زندگی کے ہر پہلو کو قریب سے پرکھا ہے۔ مثلاً وہ جھوٹ جیسی برائی کو بطور ایک اصلاح کار کے موضوع بناتے ہیں کہ معاشرے کا کوئی خراب پہلو یا رویہ سُدھر جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر سب جانتے ہیں کہ یہ برائی ہے لیکن پھر بھی اس کو ہر کوئی استعمال کرتا ہے جیسے ان کے قطعہ پر احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں کہ:

> ہم ان دنوں جس معاشرتی آشوب سے گزر رہے ہیں اسے کوئی سنجیدہ یا مزاحیہ شاعر نظر انداز نہیں

کرے گا۔۔۔۔۔ [۴]

معاشرے میں رواج پانے والی برائی "جھوٹ" پر انور مسعود نے قطعہ یوں لکھا ہے:

کوئی برکت نہیں ہے اس کے اندر
یہ پھر بھی پھولتا پھلتا بہت ہے
اگرچہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہیں
مگر یہ ہر کہیں چلتا بہت ہے [۵]

ہمارا معاشرہ پستی کی طرف گامزن ہے۔ اگر کوئی چیز بند کر دی جائے یا اس پر پابندی لگا دی جائے تب بھی لوگ اس کو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پتنگ بازی جو ایک ہندوانہ رسم ہے اور اس کا ہماری تہذیب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پھر بھی پاکستانی اس کو بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ چاہے لوگوں کے اس شوق کی وجہ سے کئی لوگوں کی جانیں ہی کیوں نہ چلی جائیں۔ کیمیکل ڈور کی وجہ سے بہت سی ہلاکتیں ہوئی ہیں جس کی وجہ سے حکومت پاکستان نے پتنگ بازی پر پابندی لگا دی لیکن پھر بھی لوگ اکڑ کر اسے مناتے ہیں۔ پتنگ بازی کے عنوان سے انور مسعود لکھتے ہیں کہ:

"پتنگ بازی"
ذرا بھی نرم ہو قانون کی گرفت اگر
معاشرے میں پنپتی ہیں بدعتیں کیا کیا
ہمیں جو شوق ہے اتنا پتنگ بازی کا
ہوئی ہیں اس کے سبب سے ہلاکتیں کیا کیا [۶]

انور مسعود ایسے طناز ہیں جو طنز کی صورت میں ایک کاسرجن اور نباض کی طرح ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں۔ سماج کی پوشیدہ برائیوں اور خرابیوں کو بڑی مہارت کے ساتھ سامنے لے آتے ہیں۔ بے حیائی اور فحاشی جو آہستہ آہستہ پھیل رہی ہے۔ اس کو وسعت دینے والی شے یا آلے کو یعنی "ڈش انٹینا" کو یوں قطعہ میں ڈھالتے ہیں:

"ڈش انٹینا"

اب نہ دکھائے

توبہ توبہ

ننگا پنڈا

ننگا سینہ

بڑا کمینہ

ڈش انٹینا[۷]

انور مسعود نے معاشرے میں رائج العمل ہر چھوٹے بڑے مسئلے کو طنز کا حصہ بنایا ہے جیسے بجلی کے بحران اور مسئلے سے گرد و پیش میں کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو بجلی چوری کرنے جیسی لعنت میں ملوث ہیں انہیں ہم صرف ملک و قوم کے غدار کہہ سکتے ہیں۔ایسے لوگ طمع و لالچ کا شکار ہوتے ہیں جیسے قطعہ ملاحظہ ہو:

"بجلی چوری"

وہ اپنی تار لے آئے ہیں گھر سے

جو کھمبے سے لگائی جا رہی ہے

نہ پوچھو ماجرا بجلی کا انورؔ

دھڑلے سے چرائی جا رہی ہے[۸]

انور مسعود اپنے ایک قطعہ میں مشرف حکومت پر طنز کرتے ہیں۔اس وقت بھی ملک دوسرے ادوار کی طرح کئی بحرانوں سے گزر رہا تھا۔ معاشی حوالے سے ان کو ناقدین کا سامنا رہا۔ عجیب سی صورت حال پاکستان میں چل رہی تھی۔ کوئی اسے آمر کہتا کوئی ناکام حکمران کہتا تو کوئی سب سے زیادہ درد رکھنے والا حکمران کہتا۔ کوئی مشرف حکومت کو ختم تو کوئی اسی کو آئندہ موقع دینا چاہتا۔ایسے میں بہتر کی قیادت کے لیے انور مسعود نے "کہو آمین" کے عنوان سے قطعہ یوں رقم کیا:

"کہو آمین"

نکالے قعرِ بدبختی سے ہم کو

ہمیں اوج سعادت سے نوازے
خدا کا خوف رکھتی ہو جو دل میں
خدا ایسی قیادت سے نوازے[۹]

سال ۲۰۱۰ء کے قرب و جوار کے حکمران اور حکومت سے پاکستانی معاشرے میں پھیلنے والے ہر طرح کے اخلاقی زوال سے متعلق انور مسعود لکھتے ہیں:

> اس زمانے میں سیاسی، اخلاقی، سماجی غرض ہر لحاظ سے پاکستانی معاشرے کو انتہائی بے دردی سے پامال کیا گیا۔ بد سے بد تر حکمران کے دور میں بھی اخلاقی قدروں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا اس کے دورِ حکومت میں پہنچایا گیا۔[۱۰]

انور مسعود نے چوں کہ بچپن ہی سے مشاہدے اور داخلی و خارجی حسیت کو بخوشی قبول کیا ہے جس سے وہ ایک حساس، مخلص اور پُر درد شخصیت کے مالک بنے۔ اپنی فکری و تہذیبی روایت سے وابستگی کی مدد سے انہوں نے خارج کے تمام تر منظر ناموں کو ایک روشنی کی صورت میں دیکھا۔ اس روایت کے تسلسل محور ٹھہری ہے۔ پاکستان کی بقاء و سلامتی سے متصادم کو داخلی دغا باز سیاس یا کوئی بھی جابرانہ و استبدادی ان کے لیے ایک ایسا فساد ٹھہرتا کہ جس سے انور مسعود کو بے چینی کا سامنا رہتا۔ معاشرے میں برتے جانے والے بھیانک منفعت گوشیوں، خود غرضیوں، نادار و ناروا خراب صورت حال اور حسین تتلیوں کو شعلوں میں دھکیل دینے والے پُر کرب رویوں کو طنز کی زد میں لاتے ہیں۔ جس کے لیے وہ مشرقی و مغربی تہذیبوں کے ٹکراؤ اور تصادم کو طنز کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ مشرقی و مغربی تہذیبوں کا یہ تصادم اردو ادب کی صنف طنز و مزاح میں جابجا مختلف حوالوں کے ساتھ نظر آتی ہے۔ انگریزی جب برصغیر کی زمین پر قدم جماتے ہیں تب کی تہذیبی و متصادمی صورت حال کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ:

> غدر کے ہنگامے نے نہ صرف ایک عظیم الشان سلطنت کی آخری دیوار ہی کو گرا دیا تھا بلکہ پرانے سماج کی تمام بنیادوں کو بھی متزلزل کر دیا تھا۔ مغربی علوم، مغربی معاشرت اور تہذیب سے اب تک ایک ایسا معاشرتی انقلاب رونما ہوا تھا جس کے باعث سماج دو طبقوں میں تقسیم ہو کر رہ گیا تھا۔[۱۱]

جب مشرقی تہذیب کا چراغ بجھتا جا رہا تھا تو اکبر الٰہ آبادی نے اپنی شاعری کے ذریعے اس ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو گل ہونے سے بچایا۔ تہذیبوں کے تصادمی صورت حال میں مغربی تہذیب کو طنز و مزاح کا نشانہ بنایا۔ اردو میں

آج تک تقریباً ہر شاعر نے اس موضوع پر لکھا ہے۔ کلامِ اقبال میں مشرقی و مغربی تہذیبوں کے ٹکراؤ کا خاص موازنہ و مطالعہ ملتا ہے۔ جیسے :

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت [۱۲]

اسی طرح تہذیب پر اقبال ایک شعر رقم کرتے ہیں کہ :

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف [۱۳]

انور مسعود نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا لیکن وہ کہیں بھی روایت کی اندھی تقلید کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ انہوں نے موضوع تو وہی چُنا لیکن اسے عصرِ جدید سے ہم آہنگ کر دیا۔ انگریزوں سے ملنے والے سیاسی نظام پر جبر و غلامی کے خلاف اکبر الہٰ آبادی کی طرح انور مسعود نے بھی طنز کے نشتر باندھے۔ انگریز برصغیر سے چلے تو گئے مگر اپنی روایات، اقدار اور نین نقش ثبت کر گئے۔ یہی تمدن و تہذیب مسلمانوں کے ہاں پنپنے لگی۔ انور مسعود اس بات سے رنجیدہ و افسردہ ہو جاتے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ کچھ اس طرح دعا گو ہیں کہ :

ہیں جس کے من میں لندن و پیرس بسے ہوئے
مکے سے اس کے دل کی فضا کو قریب کر
یورپ کی یونین سے ہیں جس کو عقیدتیں
اسلام سے بھی اس کو محبت نصیب کر [۱۴]

مغربی تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا تحفہ بے پردگی و فحاشی ہے۔ مشرقی خواتین نے یورپی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ وہ یورپ و مغرب کے فیشن سے مانوس ہو کر ویسا ہی رنگ ڈھنگ اختیار کر لیتی ہے اور اب عہدِ حاضر میں یہ بے پردگی، عریانی و بے حیائی کی منزلیں بھی طے کر چکی ہے۔ انور مسعود کے حوالے سے مشہور بلکہ ان کی پہچان اسلام اور مشرقیت سے عشق ہے۔ یہ دونوں شعبہ ہائے زندگی یا موضوع زندگی ان کے خون اور رگ رگ میں شامل ہے۔ اس

لیے ان دونوں معاملوں پر کسی بھی سمجھوتے کو برتنے یا غیر حساس ہونے کے لیے تیار نہیں۔ انور مسعود کی فکر کے تمام زاویے انہیں دو سمتوں میں دور تک چلے جاتے ہیں۔ ہر وہ سازش و عیاری جس کے پیچھے اسلام دشمن عناصر اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔ وہ انور مسعود کے طنز کا نشانہ ضرور بنتی ہیں۔ بہبود آبادی، بسنت، پاکستان میں اردو کی جگہ انگریزی کا نفاذ، بے پردگی و فحاشی، احساسِ زیاں کا مر جانا جیسے حساس اور اخلاقی زوال پذیر رویوں کو انور مسعود قطعاً برداشت نہیں کرتے۔ اس ضمن میں انور مسعود کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

"ہو چکی ترقی"

اپوا کی پُر خلوص مساعی کے باوجود

اب تک ہے اک رویہ پسماندگی یہاں

انور مجھے تو فکرِ ثقافت نے آلیا

باہر وہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں [15]

انور مسعود کسی صورت مغربی تہذیب و تمدن کو مشرقی روایات پر مقدم ٹھہرانا قبول نہیں کرتے۔ مشرقیت و پاکستانیت، ہندوستانیت و مغربیت کے مقابلے میں گہرے جذبے کے ساتھ موجود ہے۔ پاکستانیت ان کے ہاں اس جذبے پر استوار ہے جو ۱۹۴۷ء میں ہر مسلمان مرد و عورت کے ذہن و دل پر چھایا ہوا تھا۔ مشرقی اقدار کی پامالی پر خون کے آنسو رونا اور رُلانا انور مسعود ہی کا خلاصہ ہے۔

انور مسعود بدلتی ہوئی جدید تہذیب پر ملنے والے طرزِ زندگی کو بھی طنز کا حصہ بناتے ہیں جیسے:

"دیدنی"

بہت، نہیں ہے نئی طرزِ پیرہن سے گلہ

مجھے تو اس سے فقط ایک ہی شکایت ہے

بٹن وہاں ہے ضرورت نہیں بٹن کی جہاں

وہاں نہیں ہے جہاں پر بڑی ضرورت ہے [16]

مسلمانوں نے اپنی تہذیب کو پس پشت ڈال دیا ہے اور مغربی رنگ ڈھنگ اپنا لیا ہے۔ مغرب پسندوں کو دیسی گھر سے بُو آتی ہے۔ مشرق میں کبھی مغرب کی طرز کے اولڈ ہاؤسز ادارے کھل گئے ہیں اور بچے اپنے والدین کو اولڈ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں سیاست دان نہیں سیاسی تجربے نگار ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ میں جس ماحول میں رہا ہوں اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔[۲۱]

سقوطِ ڈھاکہ یا مشرقی پاکستان سے جہاں سیاسی اور جغرافیائی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں وہاں اردو شاعری نے سیاسی، سماجی اور ثقافتی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کا احاطہ کیا ہے اور ایک دکھ بھرے سرمائے سے متعارف کروایا۔ انور مسعود جیسے حساس شاعر نے بھی اس المیے کا اظہار اپنی شاعری میں کیا ہے۔ ان کے ہاں چشم دید واقعات کی جھلک فضا کو رقت آمیز اور خیالات کو گہرے سوگوار رنگ میں رنگے ہوئے ہے۔ شہر میں ہونے والے آشوب میں وہ اپنی ذات کو جلانے بیٹھے ہیں۔ اس طرح ان کی شاعری غمِ جہاں کا سفر طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ انور مسعود ساتھ ہی ساتھ ایک تنبیہ بھی کرتے ہیں کہ ان باتوں کو راز ہی رہنے دو تو لوگوں کے ہاتھ اور کچھ نہیں آنا۔ ان کا ایک شعر ہے:

"اُوں ہُوں"

ووٹوں سے کہ نوٹوں سے کہ لوٹوں سے بنے ہیں

یہ راز ہیں ایسے جنہیں کھولا نہیں کرتے[۲۲]

جب کسی ایک پارٹی کی حکومت آجاتی ہے تو انہیں بیرون ممالک کی حمایت کے ساتھ ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کی طاقت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ من مرضی سے جس طرح کا قانون نافذ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ ان کے لیے عوام کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ اپنی ذات کے لیے عام انسان کی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں اور ایسے ملک میں ترقی اور خوشحالی سسکتی پھڑکتی فنا ہو جاتی ہے۔ پاکستانی سیاسی نظام اور انور مسعود کی سیاسی موضوعات کے حوالے سے رؤف امیر رقم طراز ہیں کہ:

پاکستان کا سیاسی نظام جس کو ہمیشہ عدم استحکام حاصل رہا ہے۔۔۔۔۔ انور مسعود کے بڑے موضوعات میں سے ایک ہے۔[۲۳]

انور مسعود بڑی ہمت اور دلیری سے عالمی صورت حال پر بھی طنز کرتے ہیں۔ وہ دنیا کی دوغلی پالیسی پر تنقید بصورت طنز کرتے ہیں۔ وہ چاہے کشمیر ہو، پاکستان و ہندوستانی یورپ کا نقشہ ہو، انور مسعود ان تمام اقوام و ممالک پر

گہری نظر رکھتے ہیں۔ جیسے وہ عراق اور کشمیر کے حوالے سے تیل کے چشمے کی بات کرتے اور مسئلہ کشمیر کے حل ہونے کے امکانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جیسے وہ کہتے ہیں کہ :

"ہوئی تاخیر تو"

اپنے لشکر لے کر اب تک وہ یہاں پہنچا نہیں

کچھ سبب ہو گا نا انکل سام کی تاخیر کا

انور اس وادی میں کوئی تیل کا چشمہ نہیں

اس لیے لٹکا ہوا ہے مسئلہ کشمیر کا[۲۴]

اسی طرح مسئلہ کشمیر کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ :

"مسئلہ کشمیر"

یہ تو منموہن یہ بھی اچھی طرح ہے آشکار

اصل پہلو دیکھنا چاہیے اگر تصویر کا

اور سارے مسئلے تو ہیں فروعی مسئلے

اور اصولی مسئلہ ہے، مسئلہ کشمیر کا[۲۵]

انور مسعود طنز کی کاٹ سے مسائل کی طرف یوں توجہ مبذول کرواتے ہیں کہ گویا اقوام عالم کی بقا اور نفع ان کے حل میں ہی مضمر ہو۔ یعنی وہ اصلاح کی جانب توجہ کرنے اور مسائل کے حل سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جیسے وہ لکھتے ہیں کہ :

"کشمیر"

کہیں کیا صورت احوال کشمیر
جسے حیرت سے دنیا تک رہی ہے
ابلتا ہے ادھر بھی کوئی دلیہ
ادھر بھی کوئی کھچڑی پک رہی ہے[۲۶]

دنیا میں کہیں پر بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو اس مسئلے کے حل کے لیے اقوام عالم یہ سوچتی ہے کہ اسے اس مسئلہ کو حل کرنے میں کتنا فائدہ ہوگا۔ اس دنیا میں رحم دلی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اگر دو ممالک آپس میں لڑ پڑتے ہیں تو کوئی ثالث کا کردار ادا کر کے اس مسئلہ کو حل نہیں کرتا۔ اس جنگ کو جب تک ثالث کو یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کو کتنا فائدہ حاصل ہونے والا ہے۔ ساری دنیا کے ممالک اپنے مفادات کے حصول کے لیے طاقت کا استعمال کرتے ہیں اور دوسرے ممالک میں ان پروپیگنڈوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والے وہاں کے سیاست دان ہوتے ہیں جن پر طاقتور ممالک دباؤ ڈال کر اپنی باتیں، اہداف و مقاصد منواتے ہیں اور یہاں یہ محاورہ صادق آتا ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔"

طاقت ور ممالک ہمیشہ پسماندہ ممالک کی حکومتیں بنانے اور بگاڑنے میں اہم اور غلیظ کردار غنڈا گردی کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ یہ سب تب ہی ہوتا ہے جب طاقت ور اور امیر ممالک پسماندہ ملکوں کو اپنے قرض کے بوجھ تلے دبا لیں۔

ہمارے ملک کے بہت سے سیاست دان دشمن ملک کے ساتھ مل کر ان پالیسیوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں۔ جیسے امریکی پالیسی کے حوالے سے انور مسعود رقم کرتے ہیں کہ:

"اتحادی"

ہمیں کہتا ہے اپنا اتحادی
مگر بھارت پہ کتنا مہرباں ہے
کوئی یہ بات امریکہ سے پوچھے

ترے انڈے کہاں، کُڑ کُڑ کہاں ہے ؟[۴۷]

انور مسعود کی طنزیہ اردو شاعری میں عالمی سماج اور طاقت کے زور پر برتے جانے والے رویوں کے برعکس ہمیں اسلام اور پاکستان اپنائے جانے والے ناپاک عزائم کی تصور کشی ملتی ہے۔ امریکہ جو ہمیشہ اسرائیل کو پناہ دیتا ہے۔ فلسطین اور کشمیر جن کے یہاں حالات بدلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو بھلا ایسے حساس شاعر کی آنکھ سے یہ واقعات پوشیدہ بھی نہیں رہ سکتے۔ انور مسعود کے عصری انسلاک اور عصری ادراک کے حوالے سے امیر رؤف لکھتے ہیں کہ:

> انور مسعود جو بظاہر شاعر نظر آتے ہیں، عصری ادراک میں بہت سوں سے آگے ہیں۔ ان کے نزدیک ظالم کے ظلم پر خاموش رہنا ظالم کی معاونت کرنے کے مترادف ہے۔[۴۸]

انور مسعود کی شاعری قطعہ، غزل اور نظم سب میں معاشرہ، پاکستانی معاشرے کے مسائل، عالمی طاقتوں کے ذریعے ہونے والے جبر واستبداد، مغربیت و مشرقیت اور اسلام کے حوالے سے اصلاح کاری اور احساس ذمہ داری کی طرف توجہ مرکوز کرنے کے پیغامات کبھی طنز تو کبھی مزاح اور کبھی نہایت سنجیدگی کے ساتھ ارد گرد کے احوال اور ہر طرح کے اخلاقی زوال کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے۔ انور مسعود کے کلام میں ہمیں مختلف بدعنوانیوں اور ناہمواریوں کے چلتے پھرتے منظر نامے متحرک انداز میں ملتے ہیں۔ دنیا میں انسان کا انسان پر ہونے والے جبر اور سفاکیت سے طنز کی صورت میں پردے چاک کر دیتے ہیں۔ انور مسعود کے ہاں ہر طرح سے "اصلاحی پہلو" اہم اور نمایاں نظر آتا ہے۔

انور مسعود ہنسانے کے ساتھ ساتھ خون کے آنسو رلانے کا ملکہ بھی رکھتے ہیں۔ جس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ ان کی ظرافت میں طنز پوشیدہ ہے اور جہاں طنز کی کاٹ ہے وہاں کھلے نڈر انداز میں طنز برائے اصلاح کرتے ہیں۔ جہاں طنز پوشیدہ ہے وہاں دوا کی گولی اور مٹھاس ہوتی ہے۔ جب اسے نگلنے لگو تو کڑواہٹ کا احساس ہوتا ہے اور انسان کو کڑوی گولی نگلنا ہی پڑتی ہے۔ یہی صورت ان کے اشعار میں بھی خاص ہے۔ اندر سے طنز کی کڑواہٹ موجود ہے۔ معاشرے کی اصلاح انور مسعود کی اولین ترجیح اور خواہش ہے۔ وہ طنز کے ذریعے معاشرتی بے راہ روی، بے حسی اور تعلیمی پسماندگی، ماحولیاتی آلودگی، اخلاقی زوال اور ناانصافی وغیرہ کا بے باکی کے ساتھ اظہار کرتے ہیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

انور مسعود کے قطعات کے حوالے سے چوہدری فضل حسین لکھتے ہیں کہ:

قطعات میں انور مسعود بزرگوں کے زبان زدِ عام مصرعوں اور ضرب الامثال پر تضمینوں کا جادو جگا کر پُر لطف چابک دستی سے ہماری معاشرتی، معاشی اور نظریاتی کج اندیشیوں کے پردے چاک کرنے کے علاوہ اصلاحِ احوال اور راست فکری کے ایک نئے اسلوب سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ [۲۹]

حوالہ جات

۱۔ انور مسعود،قطعہ کلامی(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء)،ص ۱۱۔

۲۔ مسعود مفتی، مجلہ مشاعرہ زندہ دلاں باعزاز انور مسعود(۱۹۹۴ء)،ص ۴۴۔

۳۔ انور مسعود،اک دریچہ اک چراغ(اسلام آباد: دوست پبلشرز،۲۰۰۸ء)،ص ۹۰۔

۴۔ احمد ندیم قاسمی،سرفراز شاہد کی مزاحیہ شاعری،دیباچہ چوکے از سرفراز شاہد(اسلام آباد: اکبر الٰہ آبادی اکیڈمی،۱۹۹۲ء)۔

۵۔ انور مسعود، روز بروز(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء)،ص ۵۵۔

۶۔ ایضاً،ص ۱۵۶۔

۷۔ ایضاً،ص ۶۴۔

۸۔ ایضاً،ص ۱۸۳۔

۹۔ ایضاً،ص ۱۷۔

۱۰۔ ایضاً،ص ۱۵۔

۱۱۔ وزیر آغا،اردو ادب میں طنز و مزاح(لاہور: مکتبہ عالیہ،۱۹۹۳ء)،ص ۹۶۔

۱۲۔ علامہ محمد اقبال۔کلیاتِ اقبال(لاہور: آر۔آر۔پرنٹرز،۲۰۱۱ء)،ص ۳۱۷۔

۱۳۔ ایضاً،ص ۲۰۷۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ انور مسعود۔قطعہ کلامی،ص ۸۲۔

۱۶۔ ایضاً،ص ۴۷۔

۱۷۔ انور مسعود۔غنچہ پھر لگا کھلنے(اسلام آباد: دوست پبلشرز،۲۰۱۱ء)،ص ۱۰۸۔

۱۸۔ انور مسعود، قطعہ کلامی ،ص ۱۹۔

۱۹۔ انور مسعود۔غنچہ پھر لگا کھلنے،ص ۲۳۔

۲۰۔ انور مسعود،قطعہ کلامی،ص ۱۴۹۔

۲۱۔ صبا وحید، انور مسعود کا مزاحیہ ادبی ورثہ (راولپنڈی: یونیورسٹی آف گجرات، راولپنڈی کیمپس، ۲۰۱۵ء)، ص ۶۱۔

۲۲۔ انور مسعود۔ غنچہ پھر لگا کھلنے ، ص ۴۷۔

۲۳۔ رؤف امیر، ماہ منور: انور مسعود شخصیت و فن (لاہور: الوقار پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۲۵۔

۲۴۔ انور مسعود، غنچہ پھر لگا کھلنے ، ص ۲۹۔

۲۵۔ انور مسعود، روز بروز، ص ۹۸۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۹۰۔

۲۸۔ رؤف امیر، ماہ منور :انور مسعود شخصیت و فن، ص ۱۶۰۔

۲۹۔ چودھری فضل حسین، "ماہِ منور" مضمون مشمولہ چہار سو، جلد ۵ (راولپنڈی، مارچ ۱۹۹۷ء)، ص ۳۲۔

باب چہارم:

انور مسعود اور سرفراز شاہد کی اردو طنزیہ شاعری کا تقابلی جائزہ

باب چہارم:

انور مسعود اور سرفراز شاہد کی اردو طنزیہ شاعری کا تقابلی جائزہ

تقابل یا موازنہ:

ادب میں متون، ادب پارے یا شاعری کا تقابل ہمیشہ اس انداز میں کیا جاتا ہے کہ ان کے تخلیق کاروں نے ایک ہی عصر میں رہتے ہوئے یکساں مسائل اور تقاضوں کے مطابق سوچ اور فکر کو منفرد، ایک دوسرے کے متماثل یا الگ انداز میں کیونکر پیش کیا ہے۔ ان کا طرزِ اسلوب کہاں کہاں یکسانیت دکھاتا ہے اور کہاں کہاں ایک جیسے موضوعات جداگانہ لب و لہجے کے ساتھ ایک ہی صنف میں پیش کرتے ہیں۔

موازنہ سے شعرا کے مابین مشابہتوں کا عمل اثر رکھتا ہے۔ یعنی دو عناصر کے درمیان فرق اور مشابہت کا مشاہدہ کرنا خواہ وہ اشیا ہوں، مقامات یا ادبی متون یا شعرا کا کلام ہو۔ فرق اور مماثلت کو پرکھ اور پہچان کے بعد پیش کرنے کا عمل تقابل یا موازنہ کہلاتا ہے۔

کسی بھی دو حوالوں یا اشیاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا، ان کا فرق معلوم کرنے کا یہ عمل لاطینی سے متعارف کردہ ہے۔ ذرات یا اشیاء کو جمع کرنا، ایک جگہ اکٹھا کرنے کا یہ عمل ایک سٹاپ کی مانند ہوتا ہے۔ یوں تقابل یا موازنہ کا مطلب ایک چیز کا شانہ بشانہ تجزیہ کرنا۔

موازنہ کرنے میں ایک مشترکہ عنصر قائم کرنا لازم ہوتا ہے جس میں بصری، سمعی اور فکری مشاہدہ کارفرما ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کیتوں کی دو مختلف نسلوں کے مابین فرق اور مماثلت کا موازنہ کرنا۔ نفسیاتی خصوصیات کی بنا پر ایک زمانے کے دو شعرا کے مابین موازنہ کرنا۔ یہ موازنہ کسی مسئلے کو حل کرنے یا عنوانات کی نوعیت جاننے کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً کس طرح دو فن کار یا تخلیق کار اپنی مخصوص حسیت، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر ایک ہی موضوع کو کیسے برتتے ہیں۔ ادب میں تقابل فکر کے ساتھ ساتھ فنی حوالے سے بھی کہا جاتا ہے کہ بیان بازی کیسی ہے۔ کیوں کہ یہ مشمولات اور جمالیاتی محاسن کے اعتبار سے تقویت بخشنے میں مددگار ہوتا ہے۔ تشبیہات، استعارات، دوسری زبانوں کے الفاظ کی معنویت، علامتیں، نئے مرکبات اور تراکیب دو شعرا ایک ہی زمان و مکان میں کس انداز سے پیش

کرتے ہیں۔

تقابلی مطالعات سے علم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں ثقافتی تاریخ کے نظم و ضبط کی بدولت تقابلی و موازناتی مطالعات اور تجزیوں کا آغاز ہوا جو ثقافتی مظاہر کی تحقیق، مطالعہ اور تجزیہ ہی کی اقسام شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ مغرب اور دیگر ثقافتوں کے درمیان ثقافتی اختلافات کو اپنی لپیٹ میں لے کر تقابلی افسانوں، تقابلی مذہب یعنی تقابلی ادب جیسے مضامین سامنے آئے۔ ان مضامین میں وقت کے ساتھ ساتھ مختلف مضامین کی خصوصیات بھی شامل ہو گئیں۔ اسی طرح ہمارے ہاں اردو ادب میں ادبا یا شعرا کے کلام کو تقابل کے پیرائیوں میں جانچنے کا رواج تذکروں اور تبصروں کی شکل میں تجزیاتی ادب کے ذریعے برتے جانے لگے۔ لیکن اردو ادب میں جامعاتی سطح پر تقابلی تجزیے کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نظر نہیں آئی۔ شعرا کے کلام میں تقابل کے حوالے سے زیرِ نظر مقالے میں انور مسعود اور سرفراز شاہد کی اردو طنزیہ شاعری کا مطالعہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کے ہاں فنی و فکری اعتبار سے ہم عصر ہوتے ہوئے کیسے موضوعات اور درپیش مسائل پر کیا کیا مماثلتیں پائی جاتی ہیں اور کیا منفرد اور مختلف موضوعات شامل ہیں۔

انور مسعود کے قطعات میں کوئی ان کا حرف و ہم سر نہیں۔ ان کے قطعات کے موضوعات اپنی مثال آپ ہیں۔ انہوں نے اپنے قطعات میں تہذیب حاضر کا موضوع اپنایا ہے۔ ان کے موضوعات میں ایک اہم مسئلہ خالص اور ناخالص کے درمیان تمیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تازہ دودھ کی جگہ ہم ڈبے والے سوکھے دودھ کو تازہ کہتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں تازہ سے بُو آنے لگی ہے۔ ہم اتنے مہذب ہو گئے ہیں کہ دیسی گھی سے ہمیں بُو آتی ہے اور نقلی گھی ہمیں بہت پسند ہے۔ انور مسعود نے بظاہر مزاح در حقیقت طنزیہ پیرائے میں جدید مشرقی اطوار میں جدید مغربیت کے اثرات کے غلبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوئی نسلِ نو اور تہذیب نو کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"اشتہاری مجرم"
نصیبوں میں یہ دور کبھی دیکھنا تھا
کہ خدا جانے دنیا کو کیا ہو گیا ہے
کہ ماں کی محبت بھی خالص نہیں
"کہ جہاں مامتا ہے وہاں ڈالڈا ہے"[۱]

سرفراز شاہد مغربی اثرات اور ہماری بدلتی ہوئی تہذیب کو ایک جگہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"ڈش انٹینا"

کھاتی ہے وہ بر گر شر گر

سنتی ہے ڈسکو سازینہ

آنکھیں اس کی ٹی وی چینل

سر پر ہے جوڑا "ڈش انٹینا"

سر فراز شاہد نے بھی تہذیبِ نو پر طنز کیا ہے مگر ہلکے پھلکے انداز میں۔ ان کے اندازِ بیان کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے لیکن بات رونے والی ہوتی ہے کہ مشرق میں نوجوان لڑکیوں کا شعار عصرِ حاضر میں کیسا ہے۔ ان کی مصروفیات کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے کے اسالیب کیسے ہیں۔ ان کا ثقافتی و تہذیبی طرز و تمدن ہی اپنی روایات سے بغاوت کی طرف گامزن ہے۔

یہاں انور مسعود اور سر فراز شاہد دونوں نے بھرپور طنز کیا ہے۔ انور مسعود کے الفاظ بہت سخت ہیں جب کہ سر فراز شاہد نے انگریزی الفاظ کا چناؤ بہت خوبی سے کیا ہے۔ انور مسعود نے اسی تہذیبی تمدن کو سمجھانے کے لیے الفاظ کا انتخاب بھی ویسے ہی کیا ہے جیسے مامتا، گھی، ڈالڈا، بُو وغیرہ۔ سر فراز شاہد نے جدید الفاظ کا چناؤ کیا ہے جیسے بر گر اور ساتھ شر گر کا مہمل وغیرہ۔ اسی طرح ڈسکو، ٹی وی چینل اور ڈش انٹینا جیسے تراکیب سے میڈیا اور تہذیبِ نسو پر خوش باش انداز میں طنز کیا ہے۔

افتخار عارف سر فراز شاہد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ڈش انٹینا پر ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی خوش گوار اور ناہموار زندگی اپنی ساری فتنہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ فرما نظر آتی ہے۔ اسکرین کے رنگ کبھی گلابی، کبھی زعفرانی اور کبھی گہرے، چہکتے، چہچہاتے، سرخ آوازیں۔۔۔۔ پُر لطف سر گوشیوں سے لے کر فلک شگاف قہقہوں تک۔۔۔ صاف سنائی دیتی ہیں۔ بقول یوسفی یہ وہی مزاج ہے کہ جس سے سفید بال کالے ہو جاتے ہیں مگر پھر وہ اتنے برے محسوس نہیں ہوتے۔[۲]

انور مسعود کی طنزیہ تنقید کے حوالے سے پروفیسر رؤف امیر لکھتے ہیں کہ:

> انور مسعود بے پناہ سیاسی بصیرت رکھتے ہیں۔ ان کے سیاسی نظریات ان کی تمام تحریروں میں اپنی جھلک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جناب شیخ اپنے وعظ روزانہ برسوں سے

سنائے جارہے ہیں۔ایک ہی فسانہ برسوں سے

ڈش انٹینا کے رستے روز آتی ہں میرے گھر میں

وہ حوریں جن کے چکر میں ہیں یہ مولانا برسوں سے [۵]

"شیخ اور مُلا" انور مسعود اور سرفراز شاہد دونوں کا متماثل موضوع ہے۔ طنز و مزاح کی صورت میں کبھی ہلکے پھلکے تو کبھی راست طریق سے آج کے مُلا حضرات کے داخلی و خارجی رجحانات اور کردار میں تضاد کو دونوں منکشف کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ظاہری یا پُر جوش وعظ سے نوجوان نسل بجائے اسلام اور مشرقیت کے الحاد و مغربیت کے قریب ہو رہی ہے۔اب میوزک، ڈش انٹینا، موسیقی اور غناہی تہذیب نو کا شکار بنتا جارہا ہے۔ جس کی اہم وجہ شیخ اور مُلا کا خود اپنے قول و فعل میں تضاد ہے۔ وہ اس طرح کہ پُر جوش تقاریر میں وہ بڑے بڑے اعلانات، حوروں کے قصے، جنت جہنم کی شرائط اور مغرب سے ناپسندی کے دعوے کرتے نظر آتے ہیں۔ جب کہ درحقیقت ان کی ذاتی زندگی، حال واطوار اور ان کے گھروں کا ماحول خود ان کی لغویات کی نشان دہی کرتا ہے کہ خود ان کے ہاں ڈش انٹینا موجود ہے۔ جس میں ڈراموں، اشتہار بازیوں یا کسی بھی طرح میڈیائی دجالیت کے ذریعے رنگ برنگی برہنہ حال حوروں کا سُرخی پاؤڈر کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کا ایمان متزلزل اور چاک ہوتا ہے۔ سرفراز شاہد کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

چہرے چاند ستاروں والے ہیرا پھیری کرتے ہیں

یہ پیکر مٹیاروں والے ہیرا پھیری کرتے ہیں

شاہد صاحب کہلاتے ہیں مسٹر بھی مولانا بھی

حضرت دو کرداروں والے ہیرا پھیری کرتے ہیں۔[۶]

اسی طرح انور مسعود بھی لکھتے ہیں کہ:

گویوں کے یہ دہشتناک جتھے

کہ چلاتے ہیں گانے کے بجائے

دھماکے ہیں کہ موسیقی ہے یارو

ہمیں اس پاپ سے اللہ بچائے ؎

ہماری تہذیب اور نوجوان نسل کی سرگرمیاں اس قدر اسلام سے دور ہو رہی ہیں کہ انور مسعود کو اب موسیقی دھماکہ لگتی ہے۔ وہ اس لیے ہر پل، ہر سُو دکان، گھر، رکشہ، گاڑی میں اونچی آواز میں یا لاؤڈ سپیکر میں میوزک اس قدر غنائی صورت میں کہ معاشرہ آلودہ اور شریف النفس لوگوں کا جینا محال ہوتا ہے۔ چاہے اذان اور نماز ہی کے اوقات ہی کیوں نہ ہوں، اب کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسلامی جمہوریتوں میں بھی گناہ عام ہو رہا ہے۔ اسی بابت انور مسعود دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے پاپ یعنی گناہ اور اسلامی تعلیمات کی نافرمانی سے بچائے۔

انور مسعود اور سرفراز شاہد دونوں کے متماثل باہم مشابہ موضوعات میں شیخ مُلا کے علاوہ نوجوان نسل کا بدلنا، اپنی اقدار کو بھلانا اور مقرب کا چولا اوڑھنے کا دکھ سانجھا ہے۔ فنی یا اسلوبیاتی حوالے سے دیکھیں تو ان کے پہلے تینوں مصرعوں کے مقابلے میں چوتھے مصرعے میں یکدم سے مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ یہ خصوصیت ان دونوں کے ہاں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ بدلتے ہوئے حالات اور نت نئے چیلنجز اور تہذیب نو کے اطوار سے دونوں ہی نالاں ہیں۔ دونوں ہی طنز کو بطور اصلاح پیش کرتے ہیں۔ لیکن انور مسعود سرفراز شاہد سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعرانہ حسن اور علمی ذخیرہ بہت زیادہ ہے۔ معاشرے میں موجود ہر چھوٹے بڑے موضوع کو قلم زد کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

انور مسعود داخلی کیفیات کو بھی معاشرتی ناہمواریوں کے ساتھ کھینچتے ہیں۔ مہنگائی جیسی معاشرتی بدعنوانیوں کو دونوں شعرا طنز کی کاٹ میں لاتے ہیں۔ سماجی اور اخلاقی اعتبار سے دونوں شعرا میں گہری یکسانیت موجود ہے۔ لیکن اختلاف یہی ہے کہ انور مسعود جزئیاتی طور پر بڑے سے بڑے، چھوٹے سے چھوٹے اور باطن کے معاملات کے بھی پردے بے باکی سے چاک کرتے ہیں۔ انور مسعود گہری طنزیہ کاٹ کے ذریعے معاشرے کی تاریکیوں اور لوگوں کے منفی رویوں اور سوچوں کو بڑے مؤثر انداز میں بے نقاب کرتے ہیں۔ سرفراز شاہد معاشرے کی قدروں کی بے قدری، معاشرتی زوال اور تہذیب کی پامالی کے نوحہ گر ہیں۔ ان کے کلام میں موجود دور کی سائنسی پیش رفت بھرپور طور پر سانس لے رہی ہے۔ سرفراز شاہد نے طنزیہ فکر اور مزاحیہ اندازِ بیان سے اس معاشرے کی عکاسی کی ہے۔ سرفراز شاہد کے فنی محاسن اور اسلوب کو عروج میں دیکھا جا سکتا ہے اور ان کی باریکیوں پر نظر رکھتے ہوئے ہماری عادات و اطوار، طرزِ عمل، طرزِ فکر اور اندازِ زیست کو نشانہ بناتے ہیں۔ ان کے حسن و اسلوب کی باریکیوں اور محاسن سے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ:

انہوں نے زندگی کے ان پہلوؤں کو ایسے شاعرانہ لہجے میں پیش کیا ہے کہ ان کی شاعری براہِ راست پڑھنے والوں سے کلام کرنے لگتی ہے۔ان کی شاعری "از دل خیز و بر دل ریز" کی مثال ہے۔[۵]

انور مسعود کی طبع جواں، خوش کن اور مزاح سے بھرپور ہے لیکن ان کا شعر سننے کے لیے جگر کو تھام کر بیٹھنا پڑتا ہے، کیوں کہ ان کے کلیجہ چھلنی کر دینے والے طنز کے تیر سے کسی بھی لحہ سننے والے کے دل سے پار ہونے کا خدشہ تو موجود ہی رہتا ہے۔خوش و خرم دکھائی دینے والے اس عبقری کا دل قوم و ملک کے درد سے ٹوٹا پڑتا ہے اور یہ ضروری بھی نہیں کہ ہر خوش مزاج اندر سے دل فگار نہ ہو۔اس کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ایسا شخص اپنے ماحول میں پائی جانے والی ناہمواریوں سے نفرت کرتے ہوئے، ان کو سرِ عام عریاں کر کے لوگوں کو اُن کی اپنی تصویریں دکھاتا ہے، جن پر لوگ پہلے ہنستے ہیں اور پھر پشیمان ہو کر اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔اس مزاح گو شاعر کے فن کا بے ساختہ اعتراف ہوتا ہے کہ وہ دل شکستہ و دلِ صد چاک ہے۔

انور مسعود مشاعرہ پڑھتے وقت اکثر یہ کہتے ہیں کہ میں عوامی آدمی ہوں، اس لیے عام بسوں میں سواری کرتا ہوں۔ایک مرتبہ بس میں ایسی ہی بھیڑ میں ایک آدمی اپنے بازو کو کھجلاتا ہے، تو دوسرا اس سے کہتا ہے "بھائی جی! ایہہ میری بانہہ جے"۔انور مسعود کا یہ واقعہ سنانا ایک طرف ہنسی کا باعث ہے، تو دوسری طرف عوام کے اس پورے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے، جو تمام عمر آرام و سکون کی زندگی گزارنے کے خواب دیکھتے ہوئے قبر کی دہلیز تک پہنچ جاتے ہیں۔ گاڑیوں کے یہ دھکے اُن سب مسائل کی عکاسی کرتے ہیں، جو پیدائش سے اِن کا مقدر ہوتے ہیں۔بات صرف غور کرنے کی ہے، کہ کہیں منی بس ہمارا معاشرہ تو نہیں، جس میں کچھ لوگ بڑی تمکنت سے نشستوں پر براجمان ہیں اور زیادہ تر سروں کو جھکائے یا دروازوں پر لٹکے اختتامِ سفر کے منتظر ہیں۔نشستوں پر گردنیں اکڑائے بیٹھنے والے غنودگی کا شکار ہیں اور ایک پاؤں پر بمشکل کھڑے ہونے والے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ رہے ہیں اور اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ سب ٹانگیں اور سب بازو اُسی ایک طبقے کے ہیں، جن کے لیے بیٹھنے والوں میں سے کوئی بھی نشست خالی نہیں کرتا۔"اے مرے ہم سفر تُو میں ہے، میں تُو ہوں" اسی پسِے ہوئے محنت کش و مزدور طبقے کا بالا دستوں سے خطاب ہے۔

انور مسعود صرف ہنساتا نہیں، بلکہ خون کے آنسو رُلانے میں بھی وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ان کی ظرافت میں طنز اس طرح پوشیدہ ہے، جیسے شکر میں لپٹی کونین کی کڑوی کسیلی گولیاں ہوں۔اصلاح اور معاشرتی سدھار انور مسعود کی تمنا اور منزل ہے۔وہ طنز کو ظرافت کا لبادہ پہنا کر عالمی سفاکی، قومی تنزل، معاشرتی بے حسی، تعلیمی پسماندگی، اخلاقی

بے راہ روی، اقتصادی ناانصافی وغیرہ پر جرأت و بے باکی سے ایسے شائستہ وار کرتے ہیں کہ سانپ بھی مر جاتا ہے اور لاٹھی بھی سلامت رہتی ہے۔ ان کے فن کے ایسے معجزے ہمارے نصاب میں شامل ہو کر طنز و مزاح کی حرمت کو مالا مال کیے ہوئے ہیں اور ہنسنے ہنسانے کا یہ عمل طنز و مزاح کی اُس تعریف کا معیار ٹھہرتا ہے، جس کو محققین نے وضع کیا ہے:

انور مسعود کے ہنسنے ہنسانے کا یہ عمل صرف وقتی خوش طبعی اور بے ضرر دل لگی تک محدود ہو تو عموماً اسے ظرافت کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن جب اس ظرافت کی تہ میں شعوری یا لاشعوری طور پر، کوئی دل آزارانہ یا اصلاحی مقصد پوشیدہ ہو تو اسے طنز سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی سماجی و معاشرتی ناہمواریاں اور بے اعتدالیاں جن کا ذکر اُوپر کیا گیا ہے، جب ہمدردانہ شعور اور فنکارانہ طرزِ اظہار کے ساتھ کسی خلاق شاعر یا ادیب کے ہاتھوں، نثر یا نظم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں تو ادبی شاہ کار بن جاتی ہیں اور کسی قوم کی ذہانت و ذکاوت اور خوش ذوقی و شائستگی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ لیکن کسی زبان و ادب میں طنز و مزاح کا یہ بلند معیار کئی ارتقائی مدارج طے کرنے اور ظرافت کی متعدد صالح و غیر صالح روایات سے گزرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

سرفراز شاہد کا شمار پاکستان کے اہم مزاح گو شعرا میں ہوتا ہے۔ سرفراز شاہد کی مزاحیہ شاعری میں بیگم، عاشق، محبوبہ، مولانا، مہمان، مہنگائی، فیشن، اقربا پروری، دھونس، دھاندلی، استحصال وغیرہ کو بطور خاص طنز و مزاح کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ کہیں کہیں تو ان میں سے کئی صورتیں ایک ہی قطعے میں اکٹھی مل جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر بیوی،

مہمان اور مہنگائی کا اتصال دیکھیے:
بیوی مری جن بھوت سے ڈرتی نہیں لیکن
مہمان کا ہوّا اسے اچھا نہیں لگتا
مہنگائی کے اس دور میں دیوار پہ گھر کی
بیٹھا ہوا کوّا اسے اچھا نہیں لگتا

مہمان کی آمد اگر کچھ وقت کے لیے ہو تو رحمت ہوتی ہے لیکن مہمان، مستقل مہمان بن بیٹھے تو صورت وہی ہوتی ہے۔ جس کے تذکرے سرفراز کی شاعری میں بکھرے پڑے ہیں:

سے متاثر ہوتا ہے۔ خاص کر جب معاشرہ تنزل یا زوال پذیری کی جانب رُخ کرے یا بے اعتدالیوں کی زد میں آجائے تو فنکار بے حد متاثر ہوتا ہے اور وہ اپنی تخلیقات میں طنزیہ ومزاحیہ پیرائے میں گرد ونواح کے انہی تضادات کی نشان دہی کرتا ہے۔ وہ حساس ہوتا ہے اور تخلیق کی صورت میں اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سرفراز شاہد اور دیگر ہم عصر شعرا کے کلام میں ہمیں یہی بات نظر آتی ہے کہ انہوں نے روزمرہ انسانی رویوں کو نشانۂ طنز بنایا۔ طنز اور شعر کی صورت میں پیش کیا۔ ان سماجی برائیوں کا تمسخر اڑایا، سیاست دانوں کا مذاق اڑایا، مُلا کو آئینہ دکھایا۔ سائنسی ایجادات کو طنز کے لہجے میں دکھایا اور موسمیات وماحولیات والوں کو آلودگی کے پھیلاؤ سے رونما ہونے والے نقصانات کی طرف توجہ دلانے کی کوشش بھی کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور مسعود، قطعہ کلامی (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۹۴۔

۲۔ سرفراز شاہد، ڈش انٹینا (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ۲۸۰۔

۳۔ ایضاً، ڈش انٹینا، بیک ٹائٹل۔

۴۔ رؤف امیر، ماہِ منور: انور مسعود شخصیت اور فن (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۴۲۔

۵۔ سرفراز شاہد، ڈش انٹینا، ص ۳۴۔

۶۔ سرفراز شاہد، ہیرا پھیری (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز)، ص ۴۲۔

۷۔ انور مسعود، سخن در سخن (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)۔

۸۔ جمیل جالبی، پاکستانی کلچر (کراچی، ۱۹۶۴ء)۔

ماحصل

آٹھ رس کی
آنکھ پھوٹی
آٹھ دس کی
سر کھلا
لو خطیب
شہر کی
تقریر کا
جوہر کھلا

سید ضمیر جعفری کے اس شعر میں طنز کی کاٹ کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح خطیبِ شہر اپنے خطاب سے لوگوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔

ادب میں طنز کی اہمیت اس کی مقصدیت کے باعث ہے۔ اسی کے باعث اس کی تلخی گوارا کرلی جاتی ہے۔ طنز و مزاح کی تخلیق مقصد کے بغیر ممکن نہیں۔ خالص مزاح تو صرف دل لگی یا مذاق کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ مزاح کی عمومی سطح ہے۔ اس صورت حال میں مزاح اس وقت سمت آشنا ہوتا ہے جب اس میں طنز شامل ہو جائے۔ گویا طنز ہی مزاح کو صحیح سمت دکھاتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کے بقول:

> خوش رہنا ہر انسان کا حق ہی نہیں فرض بھی ہے اور جو شے اس فریضے کی ادائیگی میں مدد و معاون ثابت ہو وہ مفید ہے اس لحاظ سے مزاح زندگی کو زیادہ خوش گوار بنا دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ راہ میں پھول نہ کھلاتا ہو لیکن کانٹے بہت سے ہٹا دیتا ہے۔

بقول شوکت سبزواری:

> طنز و ظرافت اکثر ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ شاید اس لیے عام طور پر ان میں فرق نہیں کیا جاسکتا اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی مضمون طنز پر مکمل اور جامع نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے ساتھ ظرافت کا ذکر نہ ہو۔ طنز ظرافت سے بالکل الگ چیز ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا ظرافت سے تعلق ہے اور یہ تعلق گہرا اور شدید ہے۔ لیکن طنز کا مفہوم کچھ اور ہے۔

طنز و مزاح ایک ایسی قوت ہے جس کے ذریعے ناقدین، شعرا یا ادبا انسان کو ہر قسم کے حالات سے بآسانی روشناس کرواتے ہیں۔ معاشرتی ناسوروں کو پہچاننے اور ان کے سدِ باب کے لیے طنز و مزاح جیسی ادبی صنف کو بہترین لائحہ عمل کے طور پر اپنایا جا سکتا ہے۔ طنز و مزاح سے معاشرے میں انفرادی و اجتماعی، داخلی و خارجی نفسیاتی الجھنوں کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ ہنسی علاج غم ہے۔ ذہنی تناو کو مزاح کے ذریعے ضبط میں لایا جا سکتا ہے۔

طنز و مزاح صرف ہنسنے ہنسانے کا کام نہیں دیتا بلکہ اس سے بے شمار مسائل کا سد باب ہوتا ہے۔ ایک باشعور انسان مزاح کے اندر چھپے گہرے راز کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ نفسا نفسی کے اس دور میں معاشرہ گوناں گوں پیچیدگیوں کی زد میں ہے۔ زندگی کی گہما گہمی نے ہر فرد کو متاثر کر رکھا ہے ایسے میں طنز و مزاح بہترین نباض کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

مقالے کا دوسرا باب سرفراز شاہد کی شاعری میں طنزیہ عناصر (فکری جائزہ) ہے کسی بھی زبان کے ادب کا لازمی جزو طنز و مزاح ہیں۔ زندگی کے تلخ حقائق کا سامنا کرنے کے لیے اس کی شدتوں اور سختیوں کو گوارا بنانے کے لیے شگفتگی اور زندہ دلی کی راہ کھلی رکھنا نہایت ضروری ہے اور یہ سب طنز و مزاح ہی کے ذریعے ممکن ہوتا ہے کیونکہ طنز ہی کے ذریعے معاشرتی برائیوں کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے دنیا کے بڑے ادیبوں اور شاعروں کے ہاں یہ عنصر فطری طور پر ان کے اعلیٰ ادب کی نشاندہی کرتا ہے ان شعراء میں بیسویں صدی کے افق پر چمکتا ہوا ایک روشن ستارہ موجود ہے جو دنیائے ادب میں سرفراز شاہد کے نام سے جانے مانے جاتے ہیں۔ سرفراز شاہد معاشرے کے حقیقی نباض ہیں۔ ان کا محبوب مشغلہ غم زندگی کے حالات میں قہقے بانٹنا ہے ان کی شاعری قومی مسائل سے لے کر بین الاقوامی مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔

سرفراز شاہد بچپن ہی سے سنجیدہ مزاج لیکن ظریفانہ طبعیت کے مالک تھے۔ مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بچپن ہی سے شاعرانہ صلاحیت ودیعت کی تھی چھوٹی سی ہی عمر میں مصرے گھڑنے لگے پہلا شعر چوتھی جماعت میں کہا جو ان کے مزاج میں شوخی و شگفتگی کی عکاسی کرتا ہے۔

سرفراز شاہد کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے طنز و مزاح نگاروں کی طرح

اپنے عصر کو قریب سے دیکھتے اور محسوس کرت ہیں یوں لگتا ہے کہ انھوں نے مزاح کا نہیں بلکہ مزاح نے ان کا چناو کیا ہے۔۔یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان کی فطرت میں جو چیز موجود ہوتی ہے وہ اس طرف کھنچا چلا جاتا ہےاور اگر وہ بر محل اپنے فطری میلان کو پہچان کر بروئے کار لائے تو شہرت و کامیابی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔

سرفراز شاہدایسے ہی لوگوں میں سے ایک ہیں اور اس حقیقت کے وہ خودبھی معترف ہیں۔سرفراز شاہد بڑے حوصلے اور بڑے دل کے مالک ہیں وہ اپنے آپ پر ہنسنے کا حوصلہ خود رکھتے ہیں جو اللہ کی ایک نعمت تصور کی جا سکتی ہے جب کوئی شخص یا قوم اپنے اصل کو پہچانتے ہوئے اس کو قبول کرنے اور خودپر ہنسنے کا حوصلہ اور صلاحیت نہ رکھ پائے تو ایسے میں وہ ایک عطیہ خدا وندی سے محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ اس حوصلے اور صلاحیت سے ہی وہ اپنی اصلاح آپ کر سکتے ہیں۔سرفراز شاہد گزشتہ دہائی میں ابھرنے والے مزاحیہ شاعروں میں ہر لحاظ سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں ان کی قہقہ بار اور چٹخارے دار غزلیں جنھیں وہ "نمکین "کہہ کر پڑھتے ہیں نہ صرف مشاعروں کی جان ہیں بلکہ پڑھنے میں بھی بے مثال ہیں۔

مہنگائی سرفراز شاہد کا اہم موضوع سخن رہا ہے وہ لکھتے ہیں:

ایک ہفتے میں اڑ گئی ساری

میری تنخواہ میں بچا کیا ہے

درد سر ہو گئی ہے مہنگائی

"آخر اس درد کی دوا کیا ہے"

اس طرح وہ ہلکے پھلکے انداز میں تضمین و تحریف سے طنز و مزاح ک دامن یوں بھر دیتے ہیں کہ مہنگائی جیسی کئی اور معاشرتی بدعنوانیوں کے رازمنکشف ہو جاتے ہیں۔ظرافت کے پردے میں سرفراز شاہد بڑے دانائے راز دکھتے ہیں۔ان کے پر مزاح کلام کو پڑھ کر جہاں مسکراہٹیں اورمسکان چہروں پر نور افروز ہوں وہاں ان کے کلام میں پنہاں دردمندانہ پیغام دلوں کو کسک اور

ہلکی سی ٹھیس سے بھی دوچار کر دیتا ہے۔ان کے موضوعات میں تیسری دنیا کے ساتھ برتے جانے والے سامراجی استبدادی رویوں کا تذکرہ ملتا ہے جو ان کے اپنے عصر سے گہری عصری وابستگی کا ثبوت ہے۔انھیں دکھ ہے کہ تیسری دنیا اپنے مسائل کو جانتی بھی ہے پھر بھی جبری قوتوں کے سامنے کمزور پڑتی ہے۔دوسروں سے امداد طلب کرتی تیسری دنیا کے نامساعد حالات انھیں نالاں رکھتے ہیں۔

آج کی جدید دنیا میں وہ ترقی یافتہ ممالک جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ دوسری قوموں کے مسائل حل کر رہے ہیں انھیں ظلم و تشدد اور جبریت سے نجات دلا رہے ہیں وہ درحقیقت یہ ہی ممالک ہیں جو آزادی کے نام پر دہشت گردی کر رہے ہیں۔سرفراز شاہد ان ممالک کے حکمرانوں کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ان کی نظم "گلوبل بستی" کے کلام کا نمونہ واضح ہو

بن کر ایک گلوبل بستی
اس بے دردی سے سکڑی ہے
ناں سمٹی ٹیکنالوجی سے
ناں یہ سردی سے سکڑی ہے
سہم کے اپنے "چودھریوں" سے
دہشت گردی سے سکڑی ہے

سرفراز شاہد نے عصر حاضر کے بڑے موضوعات پر بات کی ہے جن میں عالمی موضوعات ، سامراجیت، سماجیات، معاشیات،سیاسیات اور پھر ان کی ذیل میں معاشرے کو بدبودار کرنے والے حربوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

مقالے کا تیسرا باب انور مسعود کی مزاحیہ اردو شاعری میں طنزیہ عناصر کا فکری جائزہ ہے۔ انور مسعود اردو ادب کے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا بہت بڑا حوالہ ہیں۔انھوں نے مختلف زبانوں پر دسترس ہونے کی بابت شاعری بھی مختلف زبانوں میں کی ہے۔جس میں اردو اور پنجابی سر فہرست ہیں۔انور مسعود کی طنزیہ اردو شاعری میں جدید رجحانات کے سبب جدیدیت کا رنگ غالب نظر آتا

ہے۔انور مسعود بڑی باریک بینی سے طنز کی شکل میں عصری موضوعات کو ہدف تنقید برائے اصلاح معاشرہ بناتے ہیں معاشرے میں پلنے والے ہر مسئلے کو چھیڑنا انور مسعود کا خاص مشغلہ ہے۔آپ جس معاشرے میں رہتے ہیں اس معاشرے کے حالات کا گہرا علم بھی رکھتے ہیں۔انھوں نے معاشرے کو بری حالت میں چھوڑنے اور اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر رکھنے کی بجائے حالات کا رخ موڑنے کی کوشش کی اور اس کے لیے انھوں نے شاعری کو ذریعہ بنایا اور طنزیہ انداز میں حقائق کو سامنے لائے۔طنز و مزاح سے شاعری کی صورت میں حقائق پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کو اٹھانے کی کوشش کی وہ جب سماجی برائیوں کو دیکھتے ہیں تو برملا اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔انور مسعود کی ایک نظم کا حوالہ خاص ہے جس کا عنوان" درد محرومی"ہے۔ملاحظہ ہو:

بے چارہ ایک طفل کے روتا تھا زار زار
دامن پکڑ کے ماں کا یہ کہتا تھا دل فگار
امی یہ راز کیا ہے مجھے کچھ بتایئے
لڑکے گلی کے مجھ سے گریزاں ہیں کس لیے
کل اک نے اپنے پاس سے مجھ کو ہٹا دیا
طعنہ بھی وہ دیا کہ میرا دل جلا دیا
میرا بھی اس جہاں میں کوئی کہیں ہے کیا؟
مر جائے جس کا باپ وہ لڑکا نہیں ہے کیا

ہمارے سماج کی ایک بدترین برائی یتیموں سے ناروا رویہ ہے اس رویے کی وجہ سے یتیم بچوں میں احساس کمتری اور کم مائیگی کا احساس ابھرتا ہے اس موقع پر انور مسعود کی شاعری ایسے مسخ اخلاقی زوال پذیر رویوں کو سب کے سامنے لاتی ہے۔انور مسعودنے انسانی زندگی سے وابستہ ہر جزوی موضوع کو بھی چھیڑے بغیر نہیں چھوڑا۔عالمی ،سماجی ،اسلامی،مغربی، پاکستانی حوالے اور یہاں کے معاشرتی خدوخال جھوٹ،مہنگائی۔بجلی چوری ،پتنگ بازی،کشمیر،ڈش انٹینا ،انصاف،کلچر۔برصغیر کی سیاست جیسے بے شمار عنوانات دیے۔طنزومزاح کا دامن یوں بھر دیا کہ سیاست، معیشت، مذہب،

سائنس اور ٹیکنالوجیات اور ماحولیات و موسمیات ہر شعبہ ہائے زندگی میں رونما ہونے والے بر راہ رو حالات کو قلمزدگی کی صورت میں منکشف کر دیا ہے

چوتھا باب انور مسعود اور سرفراز شاہد کی شاعری کا تقابلی جائزہ ہے۔تقابل یا موازنہ میں ہم ادیبوں اور شعراء کے کلام میں پائے جانے والی یکسانیت اور اختلافی عناصر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔یہاں انور مسعود اور سرفراز شاہد کی مزاحیہ اردو شاعری کو تقابل کے لیے چن کی ان کے کلام میں اختلاف اور مشابہت کس نوعیت کی ہے اور اسے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔یہ دونوں ہم عصر اور طنزو مزاح کے جدید شعراء ہیں۔

انور مسعود اور سرفراز شاہد دونوں کے ہاں ہمیں شیخوں اور ملاوں پر کڑی تنقید نظر آتی ہے جو ان کے ہم مشابہ کلام کی دلیل ہے۔یہ دونوں شعراء نوجوان نسل سے نالاں ہیں جو اپنی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کے مغرب زدگی میں اپنے ثقافت کو رنگ رہے ہیں۔اپنی اقدار کو پس پشت ڈال کے مغرب کا چولا اوڑھتی نئی نسل بے راہ روی کو اپنا رہی ہے۔

ایک خاص مماثلت یہ ہے کہ دونوں کا فن تخلیق کسی حد تک یکسانیت رکھتا ہے کہ دونوں کے ہاں قطعات میں پہلے تینوں مصرعے مبہم سے ہوتے ہیں جب کہ چوتھے مصرعے میں ایک دم سے بات اور پیغام خود ہی واضح ہو جاتا ہے۔

انور مسعود اور سرفرازشاہد دونوں کے کلام میں مماثلات زیادہ اور مختلف النوع کلام کم ہی ہے۔دونوں میں یہ انفرادیت ہے کہ انورمسعود نے جزئیات نگاری سے باریک بین مسلے اور موضوع کو بھی قلمزدکیے بغیر نہیں چھوڑا جبکہ سرفراز شاہدنے بھی بڑے بڑے اور اہم موضوعات کو چنا ،مہنگائی دونوں کا مشابہہ موضوع ہے۔سیاست ،عالمی حوالے،معاشیات اور معاشرتی بدعنوانیوں سے دونوں نے پردے چاک کیے۔۔

انور مسعود اور سرفراز شاہد کی ایک خاص مماثلت یہ ہے کہ ان کے موضوعات کے عنوان بھی ں عض اوقات ایک طرح کے ہوتے ہیں جیسے کہ دونوں نے ڈش انٹینا کے ذریعے عصر حاضر ،مغربی تہذیب اور ہماری نوجوان نسل کے اطوار کو پیش کیا ہے۔سرفراز شاہد اور انور مسعود دونوں طنز کو برائے طنز نہیں بلکہ معاشرتی اصلاح کا بیڑہ اٹھاتے ہوئے طنز برائے اصلاح معاشرہ پیش کرتے ہیں۔

دونوں شعراء ک مطالعہ کرنے کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرفراز شاہد کے ہاں ہمیں طنز کی کاٹ اتنی شدت سے محسوس نہیں ہوتی جتنی انور مسعود کے ہاں۔سرفراز شاہد کے ہاں مزاح تیز تیز ہے جبکہ انور مسعود نے بڑی دلیری اور بے باکی کے ساتھ منافقت اور منافقانہ معاشرتی رویوں کو چاک گریباں کیا ہے۔منافقت کو مزاح کے لبادے میں یوں سامنے لاتے ہیں کہ قاری کو بظاہر ناگوار بھی نہ گزرے اور ہلکی سی چبھن اور کسک بھی رہے۔جیسے

چلی سمت غیب سے اک ہوا ،نہ رہا وہ رنگ خلوص کا
کہ صحافتوں کی دکان پر کوئی جنس بھی نہ کھڑی رہی
کسی سطر میں نہ خبر ملی،فقط اشتہار پڑھائے
ہمیں روزنامے سے کیا ملا ،جو رہی سو بے خبری رہی

کتابیات

کتابیات

اشفاق احمد ورک،اردو نثر میں طنز و مزاح(لاہور:شفیق پریس،۲۰۱۴ء)،ص ۱۳۔

اشفاق احمد ورک۔اردو نثر میں طنز و مزاح۔لاہور:شفیق پریس،۲۰۱۴ء۔

انور مسعود،میلا اکھیاں دا(اسلام آباد:دوست پبلشرز،۲۰۱۱ء)،ص ۱۰۴۔

آصف فرخی۔بحوالہ انٹرویو۔لاہور:ادبِ لطیف،۱۹۹۴ء۔

برج نرائن چکبست،"کچھ اودھ پنچ کے بارے میں" مشمولہ نقوش(لاہور:فروغ اردو)،طنز و مزاح نمبر۔

خواجہ عبدالغفور،شگوفہ زار(دہلی:مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،۱۹۷۷ء)،ص ۱۱۲۔

خواجہ محمد زکریا،اکبر الہٰ آبادی(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء)،ص ۲۵۳۔

خواجہ محمد زکریا،اکبر الہٰ آبادی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء)، ص ۲۵۲۔

رفیع الدین ہاشمی،اصنافِ ادب(لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء)،ص ۱۸۳۔

رؤف امیر۔ماہِ منور: انور مسعود شخصیت اور فن۔لاہور:الوقار پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء۔

سرفراز شاہد،ہے دیکھنے کی چیز(اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء)،ص ۷۲۔

شان الحق حقی۔فرہنگ تلفظ۔اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۵ء۔

شاہد،سرفراز۔چوکے چھکے۔اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء۔

شاہد،سرفراز۔کچھ تو کہیے۔اسلام آباد:بزم اکبر،۱۹۸۴ء۔

شاہد،سرفراز۔گفتہ شگفتہ۔اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء۔

شاہد،سرفراز۔ہیرا پھیری۔لاہور:پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز،۱۹۹۴ء۔

شاہد،سرفراز۔اردو مزاحیہ شاعری۔اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء۔

شاہد،سرفراز۔اردو مزاحیہ شاعری۔اسلام آباد:اکادمی ادبیات،۲۰۰۲ء۔

شاہد،سرفراز۔ بلا تکلف۔اسلام آباد:بزم اکبر،۱۹۸۰ء۔

شاہد،سرفراز۔تبسم در تبسم۔اسلام آباد:بزم اکبر،۲۰۰۴ء۔

شاہد،سرفراز۔چوکے۔اسلام آباد:اکبر الہ آباد اکیڈمی،۱۹۹۴ء۔

شاہد، سرفراز۔ خنداں خنداں۔اسلام آباد: بزم اکبر،۲۰۰۶ء۔
شاہد، سرفراز۔ڈش انٹینا۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء۔
شاہد، سرفراز۔سخن معکوس۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء۔
شاہد، سرفراز۔ شوخ لکیریں۔اسلام آباد: بزم اکبر،۲۰۰۲ء۔
شاہد، سرفراز۔ہے دیکھنے کی چیز۔اسلام آباد: بزم اکبر،۲۰۰۲ء۔
شکیل، شبنم۔تقریب کچھ تو ہو۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء۔
شوکت سبزواری، "اردو شاعری میں طنز" مشمولہ نقوش (لاہور: فروغ اردو ادب)، طنز و مزاح نمبر، ص ۸۵۔
صبا، وحید۔انور مسعود کا مزاحیہ ادبی ورثہ۔راولپنڈی: یونیورسٹی آف گجرات، راولپنڈی کیمپس، ۲۰۱۵ء۔
طاہر تونسوی۔طنز و مزاح۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء۔
عزیز جبران، انصاری۔چھیڑ خوباں سے۔کراچی: جبران اشاعت گھر،۲۰۰۸ء۔
علامہ محمد اقبال۔کلیات اقبال۔لاہور: آر آر پرنٹرز، ۲۰۱۱ء۔
فرمان، فتح پوری۔اردو شاعری کا فنی ارتقاء۔لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔
قاسمی، ضیاء الحق۔گلفشانیاں۔کراچی: مبین پیرزادہ کینٹ، ۱۹۹۹ء۔
قریشی، وحید۔ "آرا" مشمولہ ماہنامہ نیرنگِ خیال، راولپنڈی: اپریل ۲۰۰۴ء۔
مسعود، انور۔بات سے بات۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء۔
مسعود، انور۔ تقریب۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔
مسعود، انور۔درپیش۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔
مسعود، انور۔دیوارِ گریہ۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز۔
مسعود، انور۔روز بروز۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء۔
مسعود، انور۔شاخِ تبسم۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔
مسعود، انور۔غنچہ پھر لگا کھلنے۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔
مسعود، انور۔قطعہ کلامی۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء۔
مسعود، انور۔میلی میلی دھوپ۔اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔

نذیر، انبالوی۔مزاحیات کا انسائیکلو پیڈیا۔لاہور: مشتاق بک ڈپو، ۲۰۰۲ء۔

وزیر آغا، "اردو نثر میں طنزومزاح" مشمولہ Stephen Leacock Honov and Humanity۔

وزیر آغا، اردو ادب میں طنز و مزاح ۔لاہور: کتب خانہ اکیڈمی، ۱۹۵۸ء۔

وزیر آغا۔اردو ادب میں طنز و مزاح۔لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۳ء۔